جاری کردہ
سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ماہنامہ

ترجمان القرآن

اتقوا اللہ حق تقاتہ

مدیر
پروفیسر خورشید احمد

ادارۂ ترجمان القرآن

منشورات کی نئی پیشکش

کارڈوں کی دنیا میں نئی روایت

اہم مواقع کے لئے دینی روایت کے حامل خوب صورت کارڈ



نومولود مبارک

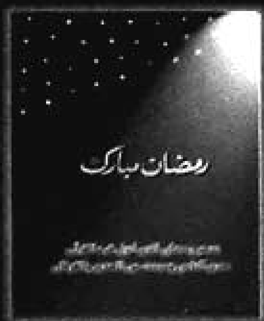
رمضان کارڈ

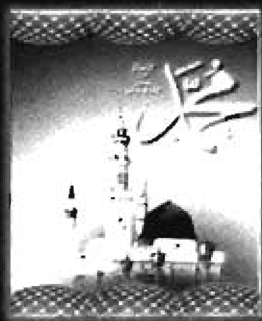


عیادت کارڈ

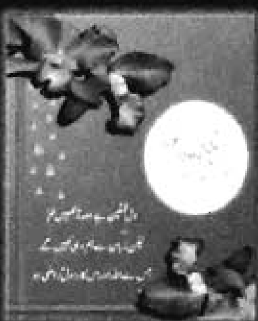


حج مبارک





عید میلاد مبارک



اور تعزیت کارڈ بھی!

اور متعدد دل کش عید کارڈ بھی!



ترقی/کامیابی مبارک

آرڈر فارم

برائے کرم درج ذیل ڈیزائن مطلوبہ تعداد میں ارسال کردیں۔ منی آرڈر/ڈرافٹ ارسال کررہا ہوں

ڈیزائن	عیادت کارڈ	نومولود مبارک	رمضان کارڈ	عید میلاد مبارک	حج مبارک	ترقی/کامیابی مبارک	تعزیت کارڈ
مطلوبہ تعداد							

نام

دستخط

پتہ

Post Code.

منشورات منصورہ لاہور فون نمبر: ۵۴۲۵۳۵۶

ماہنامہ
ترجمان القرآن
جلد: ۱۲۷، عدد۴، اپریل ۲۰۰۰ء، محرم الحرام ۱۴۲۱ھ

مدیر: پروفیسر خورشید احمد
نائب مدیر: مسلم سجاد

ترتیب

ادارتی امور
منصورہ، ملتان روڈ، لاہور
فون: ۵۴۲۵۳۵۶
فیکس: ۷۸۳۲۱۹۴
E-mail: tarjuman@pol.com.pk

مدیر انتظامی
عبدالکریم
۵-اے، ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور
فون: ۷۵۸۷۹۱۶
فیکس: ۷۵۸۵۵۹۰

☆

قیمت فی شمارہ: ۲۰ روپے
زرسالانہ: ۲۰۰ روپے

بھارت ۳۵۰ روپے
بنگلہ دیش، ایران ۵۰۰ روپے
مشرق وسطیٰ، یورپ
مشرق بعید، افریقہ ۷۰۰ روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا ۹۵۰ روپے

یرقان ابیض

زمانۂ جدید کا انسان عموماً "یرقان" میں مبتلا ہو گیا ہے اور مشرق کے فرنگیت زدہ لوگوں پر اس یرقان کی ایک اور زیادہ خطرناک قسم کا حملہ ہوا ہے جسے میں "یرقان ابیض" کہتا ہوں۔ میں اپنی اس صاف گوئی پر اپنے دوستوں اور بھائیوں سے معافی کا خواستگار ہوں، مگر جو حقیقت ہے اس کے اظہار میں کوئی مروت مانع نہ ہونی چاہیے۔ یہ ایک امر واقعہ ہے کہ اسلام کا کوئی حکم اور کوئی مسئلہ ایسا نہیں جو ثابت شدہ علمی حقائق کے خلاف ہو۔ بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ جو کچھ علمی حقیقت ہے، وہی عین اسلام ہے۔ مگر اس کو دیکھنے کے لیے بے رنگ نگاہ کی ضرورت ہے تاکہ ہر چیز کو اس کے اصلی رنگ میں دیکھ سکے۔ وسیع نظر کی ضرورت ہے تاکہ ہر چیز کے تمام پہلوؤں کو دیکھ سکے۔ کھلے دل اور سلیم فطرت کی ضرورت ہے تاکہ حقائق جیسے کچھ بھی ہوں ان کو ویسا ہی تسلیم کرے اور اپنے رجحانات کے تابع بنانے کے بجائے رجحانات نفس کو ان کے تابع کر دے۔ جہاں یہ چیز نہ ہو وہاں اگر علم ہو بھی تو بیکار ہے۔ رنگین نگاہ جو کچھ دیکھے گی اسی رنگ میں دیکھے گی جو اس پر چڑھا ہوا ہے۔ محدود نظر مسائل اور معاملات کے صرف انھی گوشوں تک جا سکے گی جو اس زاویے کے سامنے واقع ہوں جس سے وہ انھیں دیکھ رہی ہے۔ پھر ان سب کے باوجود جو کچھ علمی حقائق اپنی اصلی حالت میں اندر تک پہنچ جائیں گے ان پر بھی دل کی تنگی اور فطرت کی کجی اپنا عمل کرے گی۔ وہ حقائق سے مطالبہ کرے گی کہ اس کے داعیات نفس اور اس کے جذبات و رجحانات کے موافق ڈھل جائیں، اور اگر وہ نہ ڈھلیں گے تو وہ ان کو حقائق جاننے کے باوجود نظرانداز کر دے گی اور اپنی خواہش کا اتباع کرے گی۔ ظاہر ہے کہ اس مرض میں جب انسان گرفتار ہو تو علم، تجربہ، مشاہدہ کوئی چیز بھی اس کی رہنمائی نہیں کر سکتی، اور ایسے مریض کے لیے قطعی ناممکن ہے کہ وہ اسلام کے کسی حکم کو ٹھیک ٹھیک سمجھ سکے، کیونکہ اسلام دین فطرت بلکہ عین فطرت ہے۔ دنیاے مغرب کے لیے اسلام کو سمجھنا اسی لیے مشکل ہو گیا ہے کہ وہ اس بیماری میں مبتلا ہو گئی ہے۔ اس کے پاس جتنا بھی "علم" ہے وہ سب کا سب "اسلام" ہے۔ مگر خود اس کی اپنی نگاہ رنگین ہے۔ پھر یہی رنگ "یرقان ابیض" بن کر مشرق کے نئے تعلیم یافتہ طبقے کی نگاہوں پر چھا گیا ہے، اور یہ بیماری ان کو بھی حقائق علمیہ سے صحیح نتائج نکالنے اور مسائل حیات کو فطری نگاہ سے دیکھنے میں مانع ہوتی ہے۔ ان میں سے جو مسلمان ہیں وہ ہو سکتا ہے کہ دین اسلام پر ایمان رکھتے ہوں، اس کی صداقت کے معترف بھی ہوں، اتباع دین کے جذبے سے بھی خالی نہ ہوں، مگر وہ غریب اپنی آنکھوں کے یرقان کو کیا کریں کہ جو کچھ ان آنکھوں سے دیکھتے ہیں اس کا رنگ ہی انھیں صبغۃ اللہ کے خلاف نظر آتا ہے (سید ابوالاعلیٰ مودودی، "خاتمہ"، ترجمان القرآن، جلد ۱۶، عدد ۲، صفر ۱۳۵۹ھ، اپریل ۱۹۴۰ء، ص ۱۵۵-۱۵۶)۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

چیچنیا--- ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی!

پروفیسر خورشید احمد

امت مسلمہ کے لیے اکیسویں صدی عیسوی کا آغاز بعض لحاظ سے کچھ ویسے ہی حالات میں ہو رہا ہے جن میں بیسویں صدی کا ہوا تھا اور جس کا گریہ اقبال نے کچھ اس طرح کیا تھا:

ہو گیا مانند آب ارزاں مسلماں کا لہو

مغرب کی استعماری قوتیں مسلمانوں کی عالمی قوت کی کمر توڑ کر تقریباً پوری دنیا پر چھا گئی تھیں اور امت مسلمہ "پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے" کا سماں پیش کر رہی تھی۔ دولت عثمانیہ جسے عالم اسلام میں "ترکش مارا خدنگ آخرین" کی حیثیت حاصل تھی دم توڑ رہی تھی--- ایک طرف اگر عالم یہ تھا کہ "خاک و خوں میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش" تو دوسری طرف یہ روح فرسا منظر بھی ایک حقیقت تھا کہ "بیچتا ہے ہاشمی ناموس دین مصطفیؐ"! اگرچہ ایمان اور شجاعت کے کچھ شرارے روشن تھے مگر تاریکیوں اور غداریوں کے سوداگر اپنا کھیل بڑی عیاری سے کھیل رہے تھے اور ملت کو محکومی اور ذلت کے غاروں میں دھکیل رہے تھے۔

بیسویں صدی کے دوران آزادی اور نظریاتی احیا کے بہت سے چراغ روشن ہوئے ہیں اور ملت کی بیداری اور نئے تاریخی کردار کے واضح امکانات رونما ہوئے ہیں لیکن اس کے باوجود نئی صدی کے ان ابتدائی ایام میں زمینی حقائق جو نظارہ پیش کر رہے ہیں اس میں ایک طرف چیچنیا، کشمیر، بوسنیا، کوسووا، انڈونیشیا، فلپائن، فلسطین، ترکی، قبرص اور نائیجیریا میں مسلمان "خاک و خون" کی آزمایش میں گرفتار نظر آتے ہیں تو دوسری طرف ۵۶ آزاد مسلمان ریاستوں کے حکمرانوں میں سے بیشتر کھلے یا چھپے "ناموس دین مصطفیؐ" سے بے وفائی کا معاملہ کر رہے ہیں اور تاریخ سے کوئی سبق لینے کے لیے تیار نظر نہیں آتے اور

یہ بھول رہے ہیں کہ ؂

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

اس پس منظر میں چیچنیا کی صورت حال ایک بڑا اہم لمحہ فکریہ فراہم کرتی ہے۔ یہ ایک آئینہ ہے جس میں کئی تصویریں بڑی نمایاں نظر آ رہی ہیں۔

ایک تصویر روسی استعمار کی ہے جو اپنے عالمی قوت کے مقام سے محروم ہو کر بھی علاقائی طور پر اپنے مفادات اور خصوصیت سے مسلم اقوام کو قابو میں رکھنے' ان کے معاشی اور معدنی وسائل پر قابض رہنے اور اسلامی احیا کی ہر لہر کو دبانے کے لیے اندھی قوت اور ننگی جارحیت کا ہر حربہ استعمال کر رہا ہے۔ وہ شہروں اور دیہات کو تباہ کرنے' آبادیوں کو تاراج کرنے' بے کس اور بے سہارا انسانوں کی نسل کشی کرنے اور پورے علاقے کو کھنڈر اور قبرستان میں تبدیل کرنے پر تلا ہوا ہے۔ اور اس درندگی کے صلے میں روس کی عارضی قیادت مستقل صدارت کا تاج سر پر آراستہ کرنے کا کھیل کھیل رہی ہے۔

ایک اور تصویر اس دم توڑتے نام نہاد عالمی نظام کی نظر آتی ہے جس کا عَلَم امریکہ نے اشتراکیت کے زوال کے بعد اٹھایا تاکہ جمہوریت کو فروغ حاصل ہو سکے' انسانی حقوق کی حفاظت ہو' شہری آبادیوں کو ظلم و تشدد اور نسل کشی سے بچایا جا سکے اور سیاسی سرحدوں سے بالا ہو کر کچھ اقدار کو ساری دنیا میں بالادستی حاصل ہو سکے۔ لیکن ان دعووں کے بعد جس طرح خود اس نظام کے علم برداروں نے ان اقدار کو پامال کیا ہے' اور اب سیاسی مصلحتوں اور تجارتی مفادات کی خاطر جس طرح کھلے بندوں انسانیت کش کارروائیوں پر خاموشی' کھلے اور درپردہ تعاون' اور دکھاوے کے لیے کچھ منافقانہ بیانات کی روش اختیار کی ہے' اس نے مغربی اقوام کے دوغلے پن اور مفاد پرستی کا پردہ چاک کر دیا ہے۔ بوسنیا کی محفوظ پناہ گاہوں (safe heavens) کے بعد چیچنیا کے کھنڈرات' معصوم لاشوں کے انبار اور پناہ گزینوں کے کیمپوں نے اس نئے نظام کا مکروہ چہرہ بالکل ہی بے نقاب کر دیا ہے۔ جس "عالمی کیمونٹی" کی بڑی دھوم تھی اس کا پائے چوبیں' اور جس نئے نظام کا غلغلہ تھا اس کا بے جان لاشہ بھی اس آئینے میں دیکھا جا سکتا ہے۔

ایک اور تصویر آج کے عالم اسلام کی بھی اس میں نظر آ رہی ہے۔ امریکہ اگر خاموش ہے' برطانیہ اگر پوٹین کی پیٹھ تھپک رہا ہے اور آئی ایم ایف اگر قرضوں پر قرضے دیے جا رہا ہے تو مفاد کی اس دنیا میں اپنے منصب اور ذمہ داری کے احساس سے عاری مسلمان حکمرانوں کی جو قبیح صورت اس آئینے میں دکھائی دے رہی ہے وہ کسی پہلو سے بھی امت مسلمہ کی نمایندہ نہیں ہے۔

لیکن اسی آئینے میں ایک تصویر اور بھی ابھر رہی ہے اور یہ ہے چیچن جانبازوں کی ایمان افروز جدوجہد اور بے مثال قربانیوں کی' اور اس کے جلو میں مسلم عوام کی بے چینی اور اضطراب کی' اور اپنے رب کے حضور دعاؤں اور التجاؤں کی۔ اس اتھاہ تاریکی کے درمیان یہ روشنی کی ایک واضح کرن ہے۔

یہی وہ تصویریں ہیں اور پوری دنیا پر پڑنے والی ان کی پرچھائیاں' جو امت مسلمہ ہی نہیں' پوری انسانیت کے لیے لمحہ فکریہ فراہم کر رہی ہیں۔

چیچنیا کے سرفروش مجاہدین کا گذشتہ ۷ ماہ سے روس جیسی طاقت کے مقابلے پر کھڑے رہنا ہی جنگی تاریخ کا محیرالعقول واقعہ ہے۔ یقیناً یہ نصرت الٰہی کے بغیر ممکن نہیں۔ درحقیقت تو یہ روس کی شکست ہے کہ ہر طرح کی منصوبہ بندی' طاقت کے استعمال اور بار بار کے حملوں کے باوجود ان مجاہدین کے عزم کو شکست نہیں دے سکا ہے۔

کینیڈا کے اخبار ٹورنٹو سن (Toronto Sun) کا امور خارجہ کا مدیر ایرک مارگولس (Eric Margolis) حالیہ معرکے کا بچشم سر مشاہدہ کرنے کے بعد گواہی دیتا ہے:

> میں ۱۲ شدید نوعیت کی جنگوں کی محاذ سے رپورٹنگ کر چکا ہوں لیکن میں نے چیچن مجاہدین جیسی سرفروشی اور بہادری و جواں مردی کبھی نہیں دیکھی۔ گذشتہ چار مہینوں سے ہلکے اسلحے سے مسلح پانچ ہزار چیچن جانباز ایسے کھلے میدانی علاقے میں لڑ رہے ہیں جو فضائیہ' بکتربند گاڑیوں' ٹینکوں اور بھاری توپ خانے کے لیے موزوں ہے اور انھوں نے ایک لاکھ ۶۰ ہزار روسی فوجیوں کو جن کی پشت پر بھاری توپ خانہ' راکٹ' گن شپ ہیلی کاپٹر' زمین پر حملہ کرنے والے جہاز اور ہزاروں ٹینک اور بکتربند گاڑیاں ہیں' روک رکھا ہے۔ روسی جرنیل باربار اپنے اس عزم کو دہرا رہے ہیں کہ وہ چیچنوں کو نیست و نابود کر دیں گے۔

دشمنوں کی خون آشام یلغار' دنیا کی مصلحت آمیز خاموشی اور خود اپنوں کی بے وفائی کے عالم میں بھی جس امت کے جوان یہ مثال پیش کر سکیں' اس سے مایوس ہونا اگر کفر نہیں تو کیا ہے؟

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ چیچنیا کبھی بھی روس کا حصہ نہیں رہا بلکہ ۱۸۰۵ء تک تو دولت عثمانیہ کا حصہ تھا۔ گذشتہ ۲۰۰ سال میں جب بھی روس کو اس علاقے پر غلبہ حاصل ہوا وہ ایک استعماری قوت کی حیثیت سے ہوا اور علاقے کے عوام نے پہلا موقع ملتے ہی اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔ اس سلسلے میں ایک نہایت اہم سنگ میل ۱۹۱۷ء کے روسی انقلاب کے بعد ۱۱ مئی ۱۹۱۸ء کو شیخ افرون حاجی کی قیادت میں شمالی

قفقاز کے مسلمانوں کا اعلان آزادی اور مسلم امارت کا قیام ہے جس میں چیچنیا' داغستان اور دو دوسری ریاستیں شامل تھیں۔ اس آزاد ریاست کو ہنگری' آسٹریا' ترکی اور برطانیہ نے تسلیم کرلیا تھا۔ سوویت یونین کے زوال کے بعد جس طرح بالٹک ریاستوں کی آزادی کو تسلیم کیا گیا اسی طرح اس ریاست کو بھی تسلیم کیا جانا چاہیے تھا۔ مغربی اقوام نے بھی بین الاقوامی قانون اور روایات کے اس تقاضے کو جانب داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے نظرانداز کیا اور مسلم ریاستوں نے بھی اس بارے میں جرأت اور حق پرستی کا مظاہرہ نہیں کیا۔

دوسرا مرحلہ ۱۹۹۱ء میں روس کے زوال کے بعد کا ہے۔ روسی فیڈریشن کا قیام تو ۱۹۹۲ء میں ہوا ہے لیکن اکتوبر ۱۹۹۱ء میں چیچنیا کے عوام نے انتخابات کے ذریعے اپنی قومی کانگریس قائم کی اور منتخب پارلیمنٹ نے آزاد مملکت کے قیام کا اعلان کیا۔ ۱۹۹۲ء میں روسی افواج نے دراندازی کی کوشش کی مگر پسپا ہوئیں اور عملاً چیچنیا کی آزاد ریاست قائم ہو گئی۔ جنرل جوہر دودائف ریاست کے صدر منتخب ہوئے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ تین سال کی خاموشی کے بعد جولائی ۱۹۹۴ء میں آئی ایم ایف سے ۶.۲ ارب ڈالر وصول کر کے روس نے ۱۱ دسمبر ۱۹۹۴ء کو چیچنیا پر حملہ کیا۔ روسی فوجی کمانڈر کا دعویٰ تھا کہ چھ گھنٹے میں چیچنیا پر قبضہ مکمل کرلیا جائے گا مگر یہ جنگ دو سال چلی اور بالآخر روسی فوجوں کو پسپا ہونا پڑا۔ ۹۶-۱۹۹۴ء کی اس جنگ میں روسی افواج نے ایک لاکھ سے زیادہ چیچن عوام کو شہید کیا' ملک کے بڑے حصے کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا' ایک کروڑ ۷۰ لاکھ بارودی سرنگوں کا جال بچھایا اور اتنا گولہ بارود استعمال کیا جتنا دوسری عالمی جنگ کے دوران پورے یورپ کے محاذ پر استعمال ہوا تھا۔

اس جنگ کے بعد سب سے اہم وہ معاہدات ہیں جو روس اور چیچنیا کی حکومتوں کے درمیان ۱۹۹۶ء اور ۱۹۹۷ء میں ہوئے۔ پہلا معاہدہ جسے Khasavyurt Agreement کہا جاتا ہے' ۳۱ اگست ۱۹۹۶ء کو ہوا جس پر چیچنیا کی طرف سے جرنیل ارسلان مسخادوف اور روس کی طرف سے جنرل الیگزنڈر لے بید (Aleksandr Lebed) نے دستخط کیے۔ اس کے مشترکہ اعلامیے میں جنگ اور تشدد سے بچنے اور متنازع امور کے سیاسی حل کی تلاش کے لیے یہ اصول بھی طے کیا گیا تھا کہ باہمی تعلقات کی بنیادوں کا معاہدہ ۳۱ دسمبر ۲۰۰۱ء سے پہلے پہلے کرلیا جائے گا۔ نیز تمام متنازع امور پر گفتگو کے لیے مشترک کمیشن قائم ہو گا۔ اس کے بعد ۱۲ مئی ۱۹۹۷ء کو ماسکو میں روسی فیڈریشن کے صدر بورس یلسن اور صدر جمہوریہ چیچنیا ارسلان مسخادوف کے درمیان باقاعدہ معاہدہ امن (peace treaty) ہوا جس میں مساویانہ تعلقات کا اصول تسلیم کیا گیا اور تمام متنازع امور کے بارے میں عہد کیا گیا کہ طاقت کے استعمال یا طاقت کے استعمال کی دھمکی سے احتراز کیا جائے گا۔ بین الاقوامی قانون کے چوٹی کے ماہرین نے اسے چیچنیا کی آزاد حیثیت کے بالفعل تسلیم (de facto recognition) کیے جانے کے مترادف قرار دیا۔ امریکہ کی الی نوائے یونی ورسٹی کے

پروفیسر ڈاکٹر فرانیس اے بوائل (Francis A. Boyle) نے معاہدے کی ایک ایک شق کا تجزیہ کر کے ثابت کیا ہے کہ یہ آزادی کو تسلیم کرنے کا معاہدہ ہے۔ اس کے بعد چیچنیا کے مسئلے کو روس کا اندرونی مسئلہ قرار دینا حقائق کا مذاق اڑانے اور محض روس کی جارحیت کے آگے گھٹنے ٹیکنا ہے۔ صدر کلنٹن سے لے کر ایران کے وزیر خارجہ تک' سب ہی نے روس کی ہاں میں ہاں ملا کر بین الاقوامی بداخلاقی کی بدترین مثال قائم کی ہے۔

بین الاقوامی برادری (World Community) اور امت مسلمہ کی سیاسی قیادتوں نے خصوصیت سے او آئی سی' اس کی انتظامیہ اور موجودہ سربراہ (ایران) نے جس کمزوری اور مفاد پرستی کا مظاہرہ کیا ہے' وہ ایک ایسا جرم ہے جسے تاریخ کبھی معاف نہیں کرے گی۔ اسی طرح اقوام متحدہ' اس کی سلامتی کونسل اور تیسری دنیا سے تعلق رکھنے والے سیکریٹری جنرل کی خاموشی نے بین الاقوامی اداروں پر سے دنیا کے مظلوم انسانوں کے اعتماد کو بالکل پارہ پارہ کر دیا ہے۔ ایرک مارگولس نے سچ کہا ہے کہ:

> جو لوگ ایک ہولناک جرم کو دیکھتے ہیں اور کچھ نہیں کرتے' وہ اس جرم میں شریک ہوتے ہیں۔ ہم ۲۱ویں صدی کے آغاز پر خاموشی سے وحشی روس کو دیکھ رہے ہیں جو کسی قسم کی شرم یا رحم کے احساس سے عاری ہے اور ان بہت کم تعداد لیکن سرفروش لوگوں کو ختم کرنے پر تلا ہوا ہے جو روس کے ظلم و استبداد کے سامنے گھٹنے ٹیکنے کو تیار نہیں (ماہنامہ امپیکٹ انٹرنیشنل' فروری ۲۰۰۰ء)۔

روسی قیادت چیچنیا میں کم از کم پانچ بڑے بڑے جرائم کی مرتکب ہوئی ہے اور ان میں سے ہر ایک کے بارے میں اس کا کھلا احتساب ہونا چاہیے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ قیادت بھی جنگی جرائم (war crimes) کی سزا کی اسی طرح مستحق ہے جس طرح نازی جرمنی اور یوگوسلاویہ کی موجودہ قیادت!

پہلا جرم ایک بالفعل آزاد مملکت پر بلاجواز فوج کشی ہے۔ روس نے دو عذر تراشے ہیں اور دونوں بے اصل اور عذر گناہ بدتر از گناہ کے مترادف ہیں۔ ایک عذر یہ ہے کہ داغستان کے دو قصبات میں چیچنیا کے اشارے پر "اسلامی ریاست" قائم کی گئی' لیکن نہ داغستان کے لوگوں کا اپنی مرضی سے اپنے کسی علاقے میں اسلامی احکامات کے نفاذ کا اعلان کوئی جرم ہے اور نہ اس پر کسی کو انگشت نمائی کا حق۔ پھر اس میں بھی کوئی صداقت نہیں کہ داغستان کے دیہات کی اس تحریک کا کوئی تعلق چیچنیا سے تھا۔ چیچنیا کی قیادت نے تو صاف اعلان کیا کہ یہ مقامی لوگوں کا اپنا فعل ہے' ان کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ دوسرا عذر یہ تراشا گیا کہ چیچنیا کے لوگوں نے ماسکو کے ایک علاقے میں بم رکھ کر تباہی مچائی جس میں دو سو افراد ہلاک

ہوئے۔ لیکن نہ صرف یہ کہ اس واقعے کا بھی کوئی تعلق چیچنیا کی حکومت یا چیچنیا کے لوگوں سے نہیں بلکہ بعد کے حقائق نے تو یہ ثابت کر دیا ہے کہ بم رکھے جانے کے دونوں واقعات خود روس کی سیکرٹ سروس کی کارروائی تھی تاکہ اسے چیچنیا پر فوج کشی کے لیے جواز کے طور پر استعمال کیا جائے۔ عالمی میڈیا نے شروع ہی سے اس دعوے کو شبہے کی نگاہ سے دیکھا تھا اور لندن کے اخبار انڈی پنڈنٹ اور اکانومسٹ نے نہایت معتبر ذرائع سے اس کی تردید کی تھی' لیکن اب تو خود روس کی خفیہ ایجنسی (فیڈرل سیکورٹی کونسل) کے کارکن ایک تیسرے بم کو رکھتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑے گئے ہیں اور پورے ڈرامے کا ڈراپ سین ہو گیا ہے۔

یہ دونوں عذر خانہ ساز اور جھوٹ اور دھوکے پر مبنی ہیں' لیکن اگر بر سبیل دلیل مان بھی لیا جائے کہ ان میں کوئی صداقت تھی' تب بھی ان کی بنیاد پر ایک آزاد ملک پر ان تمام معاہدوں کی موجودگی میں جو ۱۹۹۴ء اور ۱۹۵۸ء میں کیے گئے تھے' فوج کشی کا کیا جواز ہو سکتا ہے۔ یہ صریح جارحیت تھی اور اس کا مقصد چیچن قوم کو صفحہ ہستی مٹانا تھا۔ یہ انسانیت کے خلاف ایک سنگین جرم ہے جس کے لیے کم سے کم لفظ نسل کشی (genocide) ہے۔

دوسرا جرم اس مجرمانہ سلسلے کی ایک کڑی ہے جس کا ارتکاب روسی قیادت سولھویں صدی سے بار بار کر رہی ہے۔ اسٹالن نے ۱۹۴۴ء میں چیچن اور تاتار اقوام کو وطن بدر کر کے پوری نسل کو تباہ و برباد کرنے کی کوشش کی جس میں پندرہ لاکھ افراد لقمہ اجل بنے۔ ۹۶-۱۹۹۴ء کی جنگ میں ایک لاکھ افراد کو شہید کیا گیا اور پھر بھی انتقام کی پیاس نہ بجھی۔ ستمبر ۱۹۹۹ء میں روس نے چیچنیا پر جدید ترین جنگی ہتھیاروں سے حملہ کیا اور اس بار کم و بیش وہی حکمت عملی اختیار کی جو امریکہ نے عراق میں (۱۹۹۱ء) اور نیٹو نے یوگوسلاویہ (۱۹۹۹ء) میں اختیار کی تھی۔ روزانہ ۱۲۵ سے ۲۰۰ فضائی حملے ہوئے اور ہر حملے میں ۱۵ سے ۴۵ جہاز استعمال ہوئے۔ اس طرح ہر روز ہزاروں ٹن آگ شہری علاقوں پر برسائی گئی۔ ان حملوں میں جدید ترین ایم-۲۹ سیریز کے جہاز اور ایم-۱ سیریز کے گن شپ ہیلی کاپٹر استعمال کیے گئے۔ دور مار کی آرٹلری دن رات استعمال کی گئی۔ کلسٹر بم' نیپام بم' کیمیکل بم حتیٰ کہ معصوم بچوں کو دھماکے سے اڑانے کے لیے کھلونا بم استعمال کیے گئے۔ چیچنیا کے تمام بڑے شہر بشمول گروزنی (۴ لاکھ آبادی کا شہر) اور گودس میر اور شالی (ایک لاکھ آبادی والے قصبے) بالکل تباہ کر دیے گئے۔ ۱۲ لاکھ کی آبادی اور ۱۳ ہزار مربع کلومیٹر کا یہ ملک بالکل کھنڈر بنا دیا گیا۔ تین لاکھ سے زیادہ افراد بڑی کسمپرسی کے عالم میں مہاجرت کی زندگی گزار رہے ہیں اور باقی اپنے ہی گھر میں بے گھر ہیں۔ چیچنیا کے اندر زندگی کی رمق دور دور تک نظر نہیں آ رہی۔ شہدا اور زخمیوں کی تعداد کا اندازہ مشکل ہے مگر ان کی تعداد ۳۰ سے ۵۰ ہزار بتائی جا رہی ہے۔

قوت کے اس بے محابا استعمال اور طاقت کے عظیم عدم توازن کے باوجود جو فوج دو ہفتے میں چیچنیا پر قبضے کا دعویٰ کر کے حملہ آور ہوئی تھی' آج ۶ ماہ کے بعد ملک کو تباہ کر کے اور آبادی کو تاراج کرنے کے باوجود کہہ رہی ہے کہ ابھی لڑائی کئی برس چلے گی۔ روسی ڈوما کے اسپیکر Gennady Selegnev نے ۵ مارچ ۲۰۰۰ء کو اعلان کیا ہے کہ چیچن ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو شکست قبول کر لیں۔ چیچنیا میں روسی فوجیں کئی عشروں تک رہیں گی (روزنامہ دی نیشن' ۶ مارچ ۲۰۰۰ء)۔

روسی افواج اپنے جنگی جرائم کی وجہ سے پوری انسانیت کی مجرم ہیں۔ روسی سائنس دان اندرے سخاروف (Andre Sakharov) کی بیوہ ایلینا بونر (Elena Bonner) نے امریکی ارکان سینیٹ سے گفتگو کرتے ہوئے بڑے صاف الفاظ میں کہا ہے:

> چیچنیا کے خلاف روس کی جنگ انسانیت کے خلاف ایک بہت بڑا مجرمانہ اقدام ہے۔ پوٹین نے سیاسی فائدے کی خاطر یہ غیر منصفانہ جنگ مسلط کی ہے۔ مغرب کی جانب سے کسی موثر اقدام کا نہ ہونا روس کی حوصلہ افزائی ہے کہ وہ چیچنیا میں اپنی خونی جنگ کو جاری رکھے (Commentary' منصفانہ دنیا کے لیے بین الاقوامی تحریک کا بلیٹن' کوالالمپور' فروری ۲۰۰۰ء)۔

ترک اور جرمن جنگی اخباری نمایندوں کی تیار کردہ ویڈیو فلموں اور امریکہ کے ہیومن رائٹس گروپ اور ایمنسٹی انٹرنیشنل کے نمایندوں کی شہادتوں کی روشنی میں اس میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ روس اور اس کی افواج نے صرف یک طرفہ جنگ ہی کے جرم کا ارتکاب نہیں کیا بلکہ چیچنیا کے لوگوں کی نسل کشی' اجتماعی تعذیب' انسانوں کی باڑہ بندی (concentration camps) اور بے گناہ انسانوں اور جنگ زدہ علاقوں کو چھوڑ کر جانے والے بے سہارا مردوں' عورتوں اور بچوں پر مظالم اور ان کے قتل اور اجتماعی تدفین کا ارتکاب بھی کیا ہے اور وہ نسل کشی اور جنگی جرائم کے مجرم ہیں۔

روس کا تیسرا جرم محض ذاتی سیاسی مفادات کے لیے جنگ اور نسل کشی جیسے مہیب جرائم کا ارتکاب ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ روس میں یلسن کی حکومت ہر اعتبار سے ناکام رہی۔ ۳ سال میں ۵ وزراے اعظم تبدیل کیے گئے۔ جرائم میں اضافہ ہو رہا تھا اور جسے جمہوری تجربہ کہا جا رہا تھا وہ محض ایک جمہوری تماشا بن کر رہ گیا تھا۔ نیوز ویک کے صحافی لیوک ویلاہے (Luke Delahaye) نے دس سالہ تجربے کا خلاصہ اس طرح پیش کیا ہے:

> اصلاحات شروع ہونے کے دس سال بعد ناانصافی ایک نظام کی طرح قائم ہو گئی ہے اور پورا ملک افراتفری کا شکار ہے۔ یہ کہنا کہ لوگوں کو صرف معاشی تنگی درپیش ہے بہت سادہ بات ہو جائے گی۔ روس کو تشدد' لاوارث بچے' دق' نشے کی لت' قحبہ گری' دو مردی اور بیماری سے بہت زیادہ

شراب نوشی سے سابقہ ہے۔ میں نے جو تصویریں لی ہیں گہرے سماجی' اخلاقی اور تہذیبی بحران کی نقشہ کشی کرتی ہیں۔

ان حالات میں صاف نظر آ رہا تھا کہ یلسن اور اس کا طائفہ ناکام ہو گیا ہے اور اس کے لیے مارچ ۲۰۰۰ء کا صدارتی انتخاب جیتنا آسان نہیں ہے۔ یلسن' اس کا پورا خاندان اور ساتھی بدترین مالی بدعنوانیوں میں بھی ملوث تھے اور اس کا چرچا روز افزوں تھا۔ خالص بازنطینی ذہن کے ساتھ ان حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک خونی سازش تیار ہوئی۔ چیچنیا پر الزامات لگا کر فوج کشی کا منصوبہ بنایا گیا۔ یلسن کے ایک معتمد خاص ولاڈی میرپوٹین (Vladimir Putin) کو جو روس کی خفیہ ایجنسی کے جی بی کا سربراہ رہا ہے گوشہ گمنامی سے نکال کر وزیراعظم بنایا گیا اور ڈرامائی انداز میں صدارتی نمایندہ اور قائم مقام صدر بنا دیا گیا۔ پوٹین نے ایک تازہ ترین انٹرویو میں اپنے کردار کو خود اس طرح بیان کیا ہے:

I was a hooligan, not a pioneer. Seriously, I was a real ruffian.
(دی ٹائمز ۱۷ مارچ ۲۰۰۰ء)

اس کے بارے میں شواہد موجود ہیں کہ وہ یلسن کے ساتھ مالی بدعنوانیوں میں شریک تھا اور یلسن کے بعد اس کے مفادات کے تحفظ کے بارے میں اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ پوٹین نے قومی تفاخر کے جذبے کو ابھارا اور اس جنگ کو یلسن تجربہ کی ناکامی پر پردہ ڈالنے کے لیے استعمال کیا اور عوام کو جذبات کے سیلاب میں بہا کر' جنگی جنون سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سیاسی کامیابی حاصل کرنے کا جوا کھیلا ہے۔ یہ سارا کھیل بڑی ہوشیاری' چابک دستی اور میڈیا کے سہارے کھیلا جا رہا ہے اور چیچن عوام کو اس سیاسی کھیل میں توپوں کے ایندھن (cannon fodder) کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

جس سازش کا ہم نے اوپر ذکر کیا وہ کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں۔ سب اسے بچشم سر دیکھ رہے ہیں اور بین الاقوامی مبصر اس کا اعتراف کر رہے ہیں لیکن اقوام متحدہ' امریکہ' یورپی اقوام حتیٰ کہ مسلم حکمرانوں میں کوئی نہیں جو بڑھ کر کہہ دے کہ "بادشاہ ننگا ہے"۔ مسلمانوں کا خون محض ایک سیاسی کھیل کے لیے بہایا جا رہا ہے۔

نیوز ویک کا نامہ نگار چیچنیا کی جنگ کے تین ماہ بعد لکھتا ہے:

تین ماہ پہلے یہ محسوس ہوتا تھا کہ یلسن کے مخالفین اگلا صدارتی انتخاب جیت رہے ہیں۔ یہ بات کہ آنے والی حکومت یلسن اور اس کے قریبی حلقے کو کرپشن کا ذمہ دار قرار دے گی' کریملن کے لیے بڑی پریشانی کا باعث تھی۔ صرف تین سال قبل چیچنیا میں جو جنگ روس کی شکست پر منتج ہوئی تھی' آج ماسکو میں اسے ایک ایسے آخری اقدام کے طور پر لیا جا رہا ہے جس پر یلسن کے حامی امیدواران سواری کر کے فتح حاصل کر سکیں (۲۰ دسمبر ۱۹۹۹ء)۔

اس سازش کا آخری ایکٹ ۳۱ دسمبر ۱۹۹۹ء کو اسٹیج ہوا جب یلسن نے پوٹین کو قائم مقام صدر مقرر کر دیا اور قائم مقام صدر نے تحریری طور پر یلسن اور ان کے خاندان کو ضمانت دے دی کہ ان کا کوئی احتساب نہیں ہو گا۔ یہ سب کام کھلے بندوں ہو رہے ہیں اور جسے "ورلڈ کمیونٹی" کہا جاتا ہے اس کے کان پر کوئی جوں نہیں رینگی بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ وہ بھی اس میں شریک ہے۔

روس کا چوتھا جرم یہ ہے کہ یہ جنگ بھی دراصل اسی طرح سامراجی زرگری اور لوٹ کھسوٹ کی جنگ ہے جس طرح کی جنگیں یورپ کی مختلف اقوام نے گذشتہ پانچ سو سال میں انسانیت پر مسلط کی تھیں۔ چیچنیا کا علاقہ جن وجوہ سے اہم ہے' ان میں خود اس کے اپنے زرعی' معدنی اور توانائی کے وسائل اور اس کی جغرافیائی مرکزیت ہے۔ آذربائیجان' داغستان' قازقستان' وسطی ایشیا اور بحیرہ کیسپین تک رسائی کے لیے اسے کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ آذربائیجان سے حال ہی میں مغربی ممالک کا جو معاہدہ وہاں تیل کے لیے پائپ لائن کا طے ہوا ہے' وہ چیچنیا سے ہو کر جائے گی۔ اس طرح قازقستان کی پائپ لائن بھی چیچنیا سے گزر کر روس کے علاقے میں جاتی ہے۔ روس ان تمام وسائل اور علاقوں پر اپنا اثر و رسوخ رکھنے کے لیے چیچنیا کو اپنے قبضے میں رکھنا ضروری سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روس بار بار شکست اور ہزیمت کے باوجود اس علاقے کو قابو میں کرنے کے لیے سرگرم ہے خواہ اس کے تمام باشندوں کو نیست و نابود کرنے کی نوبت کیوں نہ آئے۔ یہ خالص استعماری جنگ ہے اور دوسروں کی دولت کو اپنی گرفت میں کرنے کی شرمناک کوشش ہے جو خود انسانیت کے خلاف ایک جرم ہے۔

روس کے جرائم کی اس فہرست میں آخری چیز اس کی اسلام دشمنی اور اس علاقے میں اسلام کی بنیاد پر کسی تحریک' حکومت یا احیائی رو کی کامیابی کا راستہ روکنا ہے۔ روسی پروپیگنڈے کا ایک اہم ہدف اسلام کی احیائی تحریکات ہیں۔ ان کو "وہابیت" کا نام دے کر مطعون کیا جا رہا ہے۔ افغانستان کے جہاد کو سب و شتم کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ اسامہ بن لادن کے خیالی دیو کی دہائی دی جا رہی ہے۔ صوفی اسلام کی باتیں ہو رہی ہیں' حالانکہ نقشبندی اور مریدی سلسلے جو اس علاقے میں غالب ہیں جہاد کے علم بردار اور روس کے خلاف جنگوں میں پیش پیش رہے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ روس یا کسی اور ملک کو کیا حق ہے کہ ایک علاقے کے لوگوں کو مجبور کریں کہ وہ اپنی آزاد مرضی سے اپنے تصورات کے مطابق زندگی نہ گزاریں اور روس کی یا کسی اور قوم کی حاشیہ برداری کریں۔ یہ بھی خالص استعماری رویہ ہے جسے تسلیم کرنا نظریاتی خودکشی پر منتج ہو سکتا ہے۔

ان جرائم کے ارتکاب کی اولین ذمہ داری روس اور اس کی قیادت پر ہے لیکن اس خونی کھیل کو ممکن بنانے اور جاری رکھنے میں امریکہ اور مغربی اقوام نے روس کی پوری پوری مدد کی ہے اور یہ سب ان جرائم میں

شریک و معاون ہیں۔ امریکہ اور یورپی برادری کے تمام ممالک نے چیچنیا کے مسئلے کو "روس کا اندرونی مسئلہ" قرار دیا' کلنٹن اور آل برائٹ نے صاف الفاظ میں کہا کہ ہم تشدد کے خلاف روس کی مساعی کے موید ہیں۔ "انسانی حقوق" یا "قوت کے غیر متناسب استعمال" کی بات اگر کی بھی گئی تو ایسی نرمی سے کہ اس سے مزید مظالم کو شہ ملی۔ پھر اس پورے عرصے میں امریکہ اور جرمنی نے روس کی مالی مدد اور فنی معاملات میں بھرپور معاونت کی۔ آئی ایم ایف اور مغربی ممالک سے اربوں ڈالر روس کو فراہم کیے گئے جن کی وجہ سے' بقول روس کے وزیر خزانہ (Mikhail Kasyanov)' ان کے لیے اپنے وفاقی بجٹ کی جمع و تفریق ممکن ہوئی۔ اس نے صاف کہا تھا کہ روس کی افواج کو اسلحہ' خوراک اور روپے کی ضرورت ہے۔ چیچنیا کی جنگ کی وجہ سے بجٹ پر نظرثانی ناگزیر ہو گئی ہے اور یہ وسائل صرف آئی ایم ایف اور مغربی اقوام اور بنکوں کی امداد سے میسر آئے۔ جولائی ۱۹۹۹ء میں آئی ایم ایف نے ۶ء۴ ارب ڈالر دیے اور چھ مہینے بعد ہی چیچنیا پر فوج کشی شروع ہو گئی۔ حال ہی میں آئی ایم ایف نے مزید ۳ ارب ڈالر کی فراہمی کا وعدہ کیا ہے۔ جرمنی نے ایک موقع پر مالی امداد میں کمی کی بات کی تو امریکہ نے اسے روک دیا اور صدر کلنٹن نے جمہوریت کی دہائی دینا شروع کر دی۔ صدر کلنٹن نے پوٹین کے سارے جرائم سے صرف نظر کیا اور اسے خراج تحسین پیش کیا اور امریکہ کے قومی سلامتی کے مشیر سینڈی برگر (S.Burger) نے پوری بے شرمی اور ڈھٹائی سے کہا کہ:

> امریکہ روس کی معاشی امداد چیچنیا میں اس کی پالیسی پر احتجاج کرتے ہوئے ختم کرنے پر غور نہیں کر رہا ہے----- اسے ختم کرنا ہمارے مفادات کے خلاف ہو گا (۲۰ دسمبر ۱۹۹۹ء)۔

اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ اپنے مفادات کے اعتبار سے روس اور امریکہ "اصل میں دونوں ایک ہیں"۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل کے نمائندہ لیان لیون (Lian Levin) نے تو صاف الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ:

> ۱۵ رکنی سلامتی کونسل چیچنیا پر کوئی اقدام نہیں کرے گی کیونکہ پانچ بڑوں میں سے دو--- امریکہ اور روس--- معاملہ طے کیے ہوئے ہیں۔

روس کے لیے چیچنیا میں مظالم ممکن ہی امریکہ اور مغربی اقوام کی خاموش تائید اور مکمل امداد سے ہوئے۔ ایرک مارگولس نے یہ لکھ کر دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا ہے:

> کلنٹن انتظامیہ نے' جو چیچنیا میں روس کو نسل کشی کے لیے مالیات فراہم کر رہی ہے' روس کے ہیلی کاپٹروں کو رات کو دیکھنے والے جدید آلات فراہم کیے ہیں۔ وائٹ ہاؤس کا کہنا ہے کہ دہشت گردی کا مقابلہ کرنے کے لیے یہ فراہم کیے گئے ہیں۔ حال ہی میں بل کلنٹن نے یہ کہا ہے کہ روس نے گروزنی کو "آزادی" دلائی ہے۔ پھر بھی اس کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ اتنے بہت سے مسلمان امریکہ کو اپنا دشمن کیوں سمجھتے ہیں؟

روس کی مذمت کے ساتھ امریکہ اور مغربی اقوام کی مذمت نہ کرنا صرف حق و انصاف کے خلاف ہی نہیں ہو گا بلکہ دشمن کی قوت کے اصل سرچشمے کو نظرانداز کرنے کے مترادف ہو گا۔

روس' امریکہ اور مغربی اقوام کے کردار کا جتنا بھی احتساب کیا جائے کم ہے لیکن کیا مسلمان ممالک کی قیادتوں کا جرم کچھ کم ہے؟ او آئی سی نہ صرف یہ کہ خاموش ہے بلکہ اس کے وفد کے لیڈر اور ایران کے وزیر خارجہ نے چیچنیا کے مسئلے کو روس کا اندرونی مسئلہ قرار دے کر چیچنیا ہی نہیں امت مسلمہ کے سینے میں خنجر گھونپا ہے۔ کویت نے تو غضب ہی کر دیا کہ روس سے ایک معاہدہ کیا ہے تاکہ دونوں ملکوں میں "شمالی قفقاز کے علاقے میں دہشت گردی کا مقابلہ کیا جا سکے۔ نیز کویت یہ معلوم کرنے کے لیے روس کی مدد کرے گا کہ چیچن ری پبلک کی مالی امداد کن ذرائع سے ہو رہی ہے"--- اناللہ وانا الیہ راجعون!

قطر' پاکستان اور ایک حد تک سعودی عرب نے نسبتاً محتاط رویہ اختیار کیا ہے لیکن کسی نے بھی کھل کر حق کی مدد اور باطل سے برأت کی جرأت نہیں کی۔ اگر کسی کو جرأت ہوئی اور اس نے کھل کر چیچنیا کو تسلیم کیا تو وہ افغانستان اور ایک غیر مسلم ملک اسٹونیا (Estonia) ہیں--- یہ دونوں خود روس اور اس کے استعمار کے ستم زدہ ہیں!

امت مسلمہ کی ان قیادتوں نے امت سے اپنی دوری اور اس کے مسائل سے بے وفائی کی جو تصویر پیش کی ہے' اس سے وہ مرض کھل کر سامنے آگیا ہے جس کی وجہ سے امت مسلمہ اپنے اصل کردار کی ادائیگی سے محروم ہے۔ ایک طرف قیادتوں کا یہ حال ہے تو دوسری طرف مسلمان عوام کے دل اپنے چیچن بھائیوں کے ساتھ دھڑک رہے ہیں اور وہ "دہشت گرد" قرار دیے جانے اور مغرب کے مطعون ہونے کے خطرات سے بے نیاز ہو کر اپنے مجاہد بھائیوں کی مدد کے لیے بے چین اور دن رات ان کے لیے دعائیں کرنے میں مصروف ہیں۔ مسلم عوام کا دل' ان کی تمام کمزوریوں کے باوجود' صحیح مقام پر ہے جب کہ قیادت کا حال یہ ہے کہ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ فَزَادَھُمُ اللّٰہُ مَرَضًا--- ان کے دل مریض ہیں اور اللہ نے ان کے اعمال کے باعث ان کے دلوں کے اس مرض کو اور بڑھا دیا ہے۔

چیچنیا کے نہتے' کمزور اور تہی دامن مجاہدین نے جس عزم و ہمت' جس بہادری اور شجاعت اور جس پامردی اور استقامت کا مظاہرہ کیا ہے وہ تاریکیوں کے درمیان روشنی کا ایک مینار ہے۔ ہماری معلومات کی حد تک قوت کے عظیم تفاوت کے باوجود معرکہ چیچنیا میں گذشتہ ۶ ماہ میں ساڑھے آٹھ ہزار روسی فوجی مارے گئے ہیں جن میں ایک جرنیل اور ۳۸ دوسرے اعلیٰ فوجی افسر شامل ہیں۔ زخمی روسیوں کی تعداد ۴ ہزار سے زیادہ ہے جن میں ایک جرنیل بھی شامل ہے۔ روس کے ۲۴ سروس طیارے اور ہیلی کاپٹر مار

گرائے گئے' ۳۴ ٹینک تباہ کیے گئے اور ۲۸ بکتربند گاڑیوں کے پرخچے اڑا دیے گئے۔ ایک تعداد میں روسی فوجی جنگی قیدی بنائے گئے۔ نیز ۱۹۹۶ء اور حالیہ دونوں جنگوں کے نتیجے میں روسی فوجیوں کی ایک تعداد وہ بھی ہے جس نے اسلام قبول کرلیا ہے اور مجاہدین سے مل گئے ہیں۔

گو چیچنیا کے عام مسلمانوں کا جانی اور مالی نقصان بے اندازہ ہوا ہے لیکن مجاہدین کا عزم اور مورال نہایت بلند ہے اور وہ گوریلا جنگ کے معروف طریقے پر لڑائی لڑ رہے ہیں۔ ان سطور کے لکھے جانے تک مجاہدین کی فورس کا بڑا حصہ محفوظ تھا۔ مجاہدین کی مرکزی فورس میں سے شہدا اور زخمیوں کی تعداد ہزاروں کے لگ بھگ ہے اور باقی مجاہدین نے دفاع کے تین خطوط (defence lines) پر اپنی قوت کو تقسیم کرلیا ہے اور لمبی لڑائی کے لیے کمربستہ ہیں۔ پورے شمالی قفقاز کے مسلمانوں میں اتحاد اور جہاد کی تحریک روز افزوں ہے۔ چیچنیا اور داغستان کے مسلمانوں کی کانگریس کے نام سے ایک نئی تنظیم قائم ہو گئی ہے جو جہاد کی پشت پناہی کر رہی ہے۔ اور عوام کو بیدار اور منظم کرنے پر لگ گئی ہے۔ اب اس جنگ کے دائرے کے وسیع ہونے کا امکان بھی ہے۔ اس وقت بھی عالم یہ ہے کہ چیچنیا کے مقبوضہ علاقے میں بھی روسی فوجی رات کے وقت قیام نہیں کرتے اور مسلسل خوف کی فضا میں صرف فوجی چھاؤنیوں میں اپنے کو محفوظ پاتے ہیں۔ چیچنیا کے مسلمانوں نے شکست کا لفظ اپنی لغت سے نکال دیا ہے اور صرف جہاد میں زندگی کا امکان دیکھتے ہیں۔ جو قوم اپنے ایمان اور اپنی آزادی کے لیے جان کی قربانی دینے کو تیار ہو اسے کبھی بھی محکوم نہیں بنایا جا سکتا۔ غلامی تو ذہن اور دماغ میں جنم لیتی ہے۔ جو قلب و نظر' غلامی اور محکومی قبول کرنے کو تیار نہ ہوں' ان کو کبھی غلام نہیں بنایا جا سکتا۔ یہ تاریخ کا انمٹ سبق ہے اور چیچنیا کے مسلمانوں نے ماضی میں بھی اس کی شہادت دی ہے اور آج بھی اس عزم کا اظہار کر رہے ہیں کہ شیر کی زندگی کا ایک دن گیدڑ کی زندگی کے ہزار سال سے بہتر ہے۔

چیچنیا کا معرکہ ایک آئینہ ہے جس میں امت مسلمہ اپنی زبوں حالی کی تصویر بھی دیکھ سکتی ہے' اپنے مرض کے خدوخال کو بھی پڑھ سکتی ہے' اور اپنے مستقبل کے نقش و نگار بھی تلاش کر سکتی ہے۔ اس میں دوست اور دشمن سب کے چہرے نظر آ رہے ہیں۔ اس میں عالمی سازشوں اور حکمرانی کے خواب دیکھنے والے کے منصوبے بھی دیکھے جا سکتے ہیں اور اس میں اپنی کھوئی ہوئی میراث کو واپس لینے کے راستے کو بھی بہ آسانی پایا جا سکتا ہے۔ اس میں ہمارا ماضی' ہمارا حال اور ہمارا مستقبل سب منعکس ہے' ضرورت صرف دیدہ بینا کی ہے۔ بہ ادنیٰ تصرف:

اگر "شیشانیوں" پر کوہ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا!

اسلوب دعوت

قرآن اور سیرت کی روشنی میں

داعی الی اللہ، سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے تفہیم القرآن کے مقدمے میں لکھا ہے کہ قرآن پاک ایک دعوت اور تحریک کی کتاب ہے۔ "اسے تو آپ پوری طرح اسی وقت سمجھ سکتے ہیں جب اسے لے کر اٹھیں اور دعوت الی اللہ کا کام شروع کر دیں"۔ سیرت رسولؐ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کن کن مراحل اور منازل سے گزرے اور ان مواقع پر قرآن نے کیا رہنمائی دی۔ قرآن کا فہم حاصل کرنے کے لیے نہ صرف دعوت کے ان مراحل کا علم ہونا چاہیے، جن سے اللہ کے رسولؐ گزرے بلکہ اسوہ رسولؐ کے اتباع میں دعوت کا کام زندگی کا مشن ہونا چاہیے۔ یہاں ہم سیرت سرور عالمؐ سے وہ ہدایات پیش کر رہے ہیں جو دعوت دین کے لیے رسولؐ اللہ کو دی گئیں اور آج بھی دعوت کا کام کرنے والے ہر گروہ اور فرد کی ضرورت ہیں۔ (مدیر)

اللہ تعالیٰ نے عرب کے مشہور مرکزی شہر مکہ میں اپنے ایک بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو پیغمبری کی خدمت کے لیے منتخب کیا اور حکم دیا کہ اپنے شہر اور اپنے قبیلے (قریش) سے دعوت کی ابتدا کریں۔ یہ کام شروع کرنے کے لیے آغاز میں جن ہدایات کی ضرورت تھی، صرف وہی دی گئیں اور وہ زیادہ تر تین مضمونوں پر مشتمل تھیں:

ایک، پیغمبرؐ کو اس امر کی تعلیم کہ وہ خود اپنے آپ کو اس عظیم الشان کام کے لیے کس طرح تیار کریں اور کس طرز پر کام کریں۔

دوسرے، حقیقتِ نفس الامری کے متعلق ابتدائی معلومات اور حقیقت کے بارے میں ان غلط فہمیوں کی مجمل تردید جو گرد و پیش کے لوگوں میں پائی جاتی تھیں، جن کی وجہ سے ان کا رویہ غلط ہو رہا تھا۔

تیسرے، صحیح رویے کی طرف دعوت اور ہدایت الٰہی کے ان بنیادی اصول اخلاق کا بیان جن کی

پیروی میں انسان کے لیے فلاح و سعادت ہے۔

شروع شروع کے یہ پیغامات ابتداے دعوت کی مناسبت سے چند چھوٹے چھوٹے مختصر بولوں پر مشتمل ہوتے تھے' جن کی زبان نہایت شستہ' نہایت شیریں اور نہایت پر اثر اور مخاطب قوم کے مذاق کے مطابق بہترین ادبی رنگ لیے ہوئے ہوتی تھی' تاکہ دلوں میں یہ بول تیر و نشتر کی طرح پیوست ہو جائیں' کان خود بخود ان کے ترنم کی وجہ سے ان کی طرف متوجہ ہوں اور زبانیں ان کے حسن تناسب کی وجہ سے بے اختیار ہو کر انھیں دہرانے لگیں۔ پھر ان میں مقامی رنگ بہت زیادہ تھا--- اگرچہ بیان تو کی جارہی تھیں' عالم گیر صداقتیں' مگر ان کے ولائل و شواہد اور مثالیں اس قریب ترین ماحول سے لی گئی تھیں جس سے مخاطب لوگ اچھی طرح مانوس تھے۔ انھی کی تاریخ' انھی کی روایات' انھی کے روز مرہ مشاہدے میں آنے والے آثار اور انھی کی اعتقادی و اخلاقی اور اجتماعی خرابیوں پر ساری گفتگو تھی تاکہ وہ اس سے اثر لے سکیں۔

دعوت کا یہ ابتدائی مرحلہ تقریباً چار پانچ سال تک جاری رہا (جن میں پہلے تین سال خفیہ دعوت کے تھے)۔ اس مرحلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا ردعمل تین صورتوں میں ظاہر ہوا:

۱- چند صالح آدمی اس دعوت کو قبول کر کے امت مسلمہ بننے کے لیے تیار ہو گئے۔

۲- ایک کثیر تعداد جہالت یا خود غرضی کی بنا پر یا باپ دادا کے دین کی محبت کے باعث مخالفت پر آمادہ ہو گئی۔

۳- مکہ اور قریش کی حدود سے نکل کر اس نئی دعوت کی آواز نسبتاً زیادہ وسیع حلقے میں پہنچنے لگی۔

یہاں سے اس دعوت کا دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔ اس مرحلے میں اسلام کی اس تحریک اور پرانی جاہلیت کے درمیان ایک سخت جاں گسل کش مکش برپا ہوئی جس کا سلسلہ آٹھ نو سال تک چلتا رہا۔ نہ صرف مکہ میں' نہ صرف قبیلہ قریش میں بلکہ عرب کے بیشتر حصوں میں بھی جو لوگ پرانی جاہلیت کو برقرار رکھنا چاہتے تھے' وہ اس تحریک کو بزور مٹا دینے پر تل گئے۔ انھوں نے اسے دبانے کے لیے سارے حربے استعمال کر ڈالے۔ جھوٹا پروپیگنڈا کیا' الزامات اور شبہات اور اعتراضات کی بوچھاڑ کی' عوام الناس کے دلوں میں طرح طرح کی وسوسہ اندازیاں کیں' ناواقف لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سننے سے روکنے کی کوششیں کیں' اسلام قبول کرنے والوں پر نہایت وحشیانہ ظلم و ستم ڈھائے' ان کا معاشی اور معاشرتی مقاطعہ کیا اور ان کو اتنا تنگ کیا کہ ان میں سے بہت سے لوگ دو دفعہ اپنے گھر چھوڑ کر حبش کی طرف ہجرت کر جانے پر مجبور ہوئے اور بالآخر تیسری مرتبہ ان سب کو مدینے کی طرف ہجرت کرنی پڑی۔ لیکن اس شدید اور روز افزوں مزاحمت کے باوجود یہ تحریک پھیلتی چلی گئی۔ مکہ میں کوئی خاندان اور کوئی گھر ایسا نہ رہا جس کے کسی نہ کسی فرد نے اسلام قبول نہ کر لیا ہو۔ بیشتر مخالفین اسلام کی دشمنی میں شدت اور تلخی کی وجہ یہی تھی

کہ ان کے اپنے بھائی' بھتیجے' بیٹے' داماد' بیٹیاں' بہنیں اور بہنوئی دعوت اسلام کے نہ صرف پیرو بلکہ جاں نثار حامی ہو گئے تھے اور ان کے اپنے دل و جگر کے ٹکڑے ہی ان سے برسرپیکار ہونے کو تیار تھے۔ پھر لطف یہ ہے کہ جو لوگ پرانی جاہلیت سے ٹوٹ ٹوٹ کر اس نوخیز تحریک کی طرف آ رہے تھے' وہ پہلے بھی اپنے معاشرے کے بہترین لوگ سمجھے جاتے تھے' اور اس تحریک میں شامل ہونے کے بعد وہ اتنے راست باز اور اتنے پاکیزہ اخلاق کے انسان بن جاتے تھے کہ دنیا اس دعوت کی برتری محسوس کیے بغیر رہ نہیں سکتی تھی جو ایسے لوگوں کو اپنی طرف کھینچ رہی تھی اور انھیں یہ کچھ بنا رہی تھی۔

اس طویل اور شدید کش مکش کے دوران میں اللہ تعالیٰ حسب موقع اور حسب ضرورت اپنے نبیؐ پر ایسے پرجوش خطبے نازل کرتا رہا' جن میں دریا کی سی روانی' سیلاب کی سی قوت اور تیز و تند آگ کی سی تاثیر تھی۔ ان خطبوں میں ایک طرف اہل ایمان کو ان کے ابتدائی فرائض بتائے گئے' ان کے اندر جماعتی شعور پیدا کیا گیا' انھیں تقویٰ اور فضیلت اخلاق اور پاکیزگیِ سیرت کی تعلیم دی گئی' ان کو دین حق کی تبلیغ کے طریقے بتائے گئے' کامیابی کے وعدوں اور جنت کی بشارتوں سے ان کی ہمت بندھائی گئی' انھیں صبر و ثبات اور بلند حوصلگی کے ساتھ اللہ کی راہ میں جدوجہد کرنے پر ابھارا گیا اور فداکاری کا ایسا زبردست جوش اور ولولہ ان میں پیدا کیا گیا کہ وہ ہر مصیبت جھیل جانے اور مخالفت کے بڑے سے بڑے طوفانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

دوسری طرف مخالفین اور راہ راست سے منہ موڑنے والوں اور غفلت کی نیند سونے والوں کو ان قوموں کے انجام سے ڈرایا گیا جن کی تاریخ سے وہ خود واقف تھے۔ ان تباہ شدہ بستیوں کے آثار سے عبرت دلائی گئی جن کے کھنڈروں پر سے شب و روز اپنے سفروں میں ان کا گزر ہوتا تھا۔ توحید اور آخرت کی دلیلیں ان کھلی کھلی نشانیوں سے دی گئیں جو رات دن' زمین اور آسمان میں ان کی آنکھوں کے سامنے نمایاں تھیں اور جن کو وہ خود اپنی زندگی میں بھی ہر وقت دیکھتے اور محسوس کرتے تھے۔ شرک اور دعوے خود مختاری اور انکار آخرت اور تقلید آبائی کی غلطیاں' ایسے بین دلائل سے واضح کی گئیں جو دل کو لگنے اور دماغ میں اتر جانے والے تھے۔ پھر ان کے ایک ایک شبہہ کو رفع کیا گیا' ایک ایک اعتراض کا معقول جواب دیا گیا' ایک ایک الجھن میں جس میں وہ خود پڑے ہوئے تھے یا دوسروں کو الجھانے کی کوشش کرتے تھے' صاف کی گئی اور ہر طرف سے گھیر کر جاہلیت کو ایسا تنگ پکڑا گیا کہ عقل و خرد کی دنیا میں اس کے لیے ٹھیرنے کی کوئی جگہ باقی نہ رہی۔ اس کے ساتھ پھر ان کو خدا کے غضب اور قیامت کی ہولناکیوں اور جہنم کے عذاب کا خوف دلایا گیا' ان کے برے اخلاق اور غلط طرز زندگی اور جاہلانہ رسوم اور حق دشمنی اور مومن آزاری پر انھیں ملامت کی گئی' اور اخلاق و تمدن کے وہ بڑے بڑے بنیادی اصول ان کے سامنے پیش کیے گئے جن پر ہمیشہ سے خدا کی

پسندیدہ صالح تہذیبوں کی تعمیر ہوتی چلی آ رہی ہے۔

یہ مرحلہ بجائے خود مختلف منزلوں پر مشتمل تھا جن میں سے ہر منزل میں دعوت زیادہ وسیع ہوتی گئی۔ جدوجہد اور مزاحمت زیادہ سخت ہوتی گئی' مختلف عقائد اور مختلف طرز عمل رکھنے والے گروہوں سے سابقہ پیش آتا گیا' اور اسی کے مطابق اللہ کی طرف سے آنے والے پیغامات میں مضامین کا تنوع بڑھتا گیا۔

دعوت حق کے لیے اصولی ہدایات

دعوت اسلامی کے اس کار عظیم کو انجام دینے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مفصل ہدایات دی گئیں' ان پر غور کرنے سے آدمی بآسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ مکہ کے شدید مخالفانہ دور میں کس عظیم اخلاقی طاقت نے اسلامی تبلیغ کے لیے آگے بڑھنے کا راستہ صاف کیا اور کس موثر ترین تعلیم نے اس تبلیغ سے متاثر ہونے والوں کو خدا کی راہ میں ہر قوت سے ٹکرا جانے اور ہر مصیبت جھیل جانے پر آمادہ کر دیا۔ ذیل میں ہم ان ہدایات میں سے ایک ایک کو بیان کرتے ہیں:

۱- دعوت میں حکمت کا لحاظ

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (النحل۱۶: ۱۲۵)

"اے نبیؐ' اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ"۔

حکمت کا مطلب یہ ہے کہ بے وقوفوں کی طرح اندھا دھند تبلیغ نہ کی جائے بلکہ دانائی کے ساتھ مخاطب کی ذہنیت' استعداد اور حالات کو سمجھ کر' نیز موقع و محل کو دیکھ کر بات کی جائے۔ ہر طرح کے لوگوں کو ایک ہی لکڑی سے نہ ہانکا جائے۔ جس شخص یا گروہ سے سابقہ پیش آئے' پہلے اس کے مرض کی تشخیص کی جائے' پھر ایسے دلائل سے اس کا علاج کیا جائے جو اس کے دل و دماغ کی گہرائیوں سے اس کے مرض کی جڑ نکال سکتے ہوں۔

عمدہ نصیحت کے دو مطلب ہیں: ایک یہ کہ مخاطب کو صرف دلائل ہی سے مطمئن کرنے پر اکتفا نہ کیا جائے' بلکہ اس کے جذبات کو بھی اپیل کیا جائے۔ برائیوں اور گمراہیوں کا محض عقلی حیثیت سے ہی ابطال نہ کیا جائے بلکہ انسان کی فطرت میں ان کے لیے جو پیدائشی نفرت پائی جاتی ہے' اسے بھی ابھارا جائے' اور ان کے برے نتائج کا خوف دلایا جائے۔ ہدایت اور عمل صالح کی محض صحت اور خوبی ہی عقلاً ثابت نہ کی جائے بلکہ ان کی طرف رغبت اور شوق بھی پیدا کیا جائے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ نصیحت ایسے طریقے سے کی جائے جس سے دلسوزی اور خیر خواہی ٹپکتی ہو' مخاطب یہ نہ سمجھے کہ ناصح اسے حقیر سمجھ رہا ہے اور اپنی بلندی کے احساس سے لذت لے رہا ہے۔ بلکہ اسے یہ محسوس ہو کہ ناصح کے دل میں اس کی اصلاح کے لیے ایک تڑپ موجود ہے اور وہ حقیقت میں اس کی بھلائی چاہتا ہے۔

بحث و گفتگو کی نوعیت مناظرہ بازی اور عقلی کشتی اور ذہنی دنگل کی نہ ہو۔ اس میں کج بحثیاں اور الزام تراشیاں اور چوٹیں اور پھبتیاں نہ ہوں۔ اس کا مقصود حریف مقابل کو چپ کرا دینا اور اپنی زبان آوری کے ڈنکے بجا دینا نہ ہو بلکہ اس میں شیریں کلامی ہو' اعلیٰ درجے کا شریفانہ اخلاق ہو' معقول اور دل لگتے دلائل ہوں۔ مخاطب کے اندر ضد اور بات کی پچ اور ہٹ دھرمی پیدا نہ ہونے دی جائے۔ سیدھے سیدھے طریقے سے اس کو بات سمجھانے کی کوشش کی جائے اور جب محسوس ہو کہ وہ کج بحثی پر اتر آیا ہے تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ گمراہی میں زیادہ دور نہ نکل جائے۔

۲- ٹھنڈا اور سنجیدہ اسلوب

وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ط اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَھُمْ ط اِنَّ الشَّیْطٰنَ کَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ○ رَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِکُمْ اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْکُمْ اَوْ اِنْ یَّشَاْ یُعَذِّبْکُمْ ط وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْھِمْ وَکِیْلًا ○ (بنی اسرائیل ۱۷: ۵۳-۵۴)

"اور اے محمدؐ میرے بندوں سے کہہ دو کہ زبان سے وہ بات نکالا کریں جو بہترین ہو۔ دراصل یہ شیطان ہے جو انسانوں کے درمیان فساد ڈلوانے کی کوشش کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ تمھارا رب تمھارے حال سے زیادہ واقف ہے' وہ چاہے تو تم پر رحم کرے اور چاہے تو تمھیں عذاب دے دے۔ اور اے نبیؐ' ہم نے تم کو لوگوں پر حوالہ دار بنا کر نہیں بھیجا ہے"۔

یعنی اہل ایمان' کفار اور مشرکین سے اور اپنے دین کے مخالفین سے 'گفتگو اور مباحثے میں تیز کلامی اور مبالغے اور غلو سے کام نہ لیں۔ مخالفین خواہ کیسی ہی ناگوار باتیں کریں' مسلمانوں کو بہرحال نہ تو کوئی بات خلاف حق زبان سے نکالنی چاہیے اور نہ غصے میں آپے سے باہر ہو کر بیہودگی کا جواب بیہودگی سے دینا چاہیے۔ انھیں ٹھنڈے دل سے وہی بات کہنی چاہیے جو جچی تلی ہو' برحق ہو اور ان کی دعوت کے وقار کے مطابق ہو۔

اور جب کبھی تمھیں مخالفین کی بات کا جواب دیتے وقت غصے کی آگ اپنے اندر بھڑکتی محسوس ہو اور طبیعت بے اختیار جوش میں نظر آئے تو فوراً یہ سمجھ لو کہ یہ شیطان ہے جو تمھیں اکسا رہا ہے تاکہ دعوت دین کا کام خراب ہو۔ اس کی کوشش یہ ہے کہ تم بھی اپنے مخالفین کی طرح اصلاح کا کام چھوڑ کر اسی جھگڑے اور فساد میں لگ جاؤ جس میں وہ نوع انسانی کو مشغول رکھنا چاہتا ہے۔

اور اہل ایمان کی زبان پر کبھی ایسے دعوے بھی نہ آنے چاہییں کہ ہم جنتی ہیں اور فلاں شخص یا گروہ دوزخی ہے۔ اس کا فیصلہ تو اللہ کے اختیار میں ہے۔ خود نبی کا کام صرف دعوت دینا ہے۔ لوگوں کی قسمتیں

اس کے ہاتھ میں نہیں دے دی گئی ہیں کہ وہ کسی کے حق میں رحمت کا اور کسی کے حق میں عذاب کا فیصلہ صادر کر دے۔

۳- داعی کی ذمہ داری

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَیْهَا وَمَآ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ ○
(الانعام ۶: ۱۰۴)

"دیکھو تمھارے رب کی طرف سے بصیرت کی روشنیاں آ گئی ہیں۔ اب جو بینائی سے کام لے گا اپنا ہی بھلا کرے گا اور جو اندھا بنے گا خود نقصان اٹھائے گا۔ میں تم پر کوئی پاسبان نہیں ہوں"۔

"میں تم پر پاسبان نہیں ہوں" یعنی میرا کام صرف اتنا ہے کہ اس روشنی کو تمھارے سامنے پیش کر دوں جو تمھارے رب کی طرف سے آئی ہے۔ اس کے بعد آنکھیں کھول کر دیکھنا یا نہ دیکھنا تمھارا اپنا کام ہے۔ میرے سپرد یہ خدمت نہیں کی گئی ہے کہ جنھوں نے خود آنکھیں بند کر رکھی ہیں، ان کی آنکھیں زبردستی کھولوں اور جو کچھ وہ نہیں دیکھتے وہ انھیں دکھا کر ہی چھوڑوں۔

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ ○ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا وَمَآ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ ○ (الانعام ۶: ۱۰۶-۱۰۷)

"اے نبیؐ اس وحی کی پیروی کیے جاؤ جو تم پر تمھارے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ اس کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے۔ اور ان مشرکین کے پیچھے نہ پڑو۔ اگر اللہ کی مشیت یہ ہوتی (کہ یہ لوگ شرک نہ کریں) تو یہ شرک نہ کرتے۔ تم کو ہم نے ان پر پاسبان مقرر نہیں کیا ہے اور نہ تم ان پر حوالہ دار ہو"۔

مطلب یہ ہے کہ تمھیں داعی اور مبلغ بنایا گیا ہے، کوتوال نہیں بنایا گیا۔ تمھیں ان کے پیچھے پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تمھارا کام صرف یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے اس روشنی کو پیش کر دو اور اظہار حق کا حق ادا کرنے میں اپنی حد تک کوئی کسر اٹھا نہ رکھو۔ اب اگر کوئی اس حق کو قبول نہیں کرتا تو نہ کرے۔ تم کو نہ اس کام پر مامور کیا گیا ہے کہ لوگوں کو حق پرست بنا کر ہی رہو، اور نہ تمھاری ذمہ داری و جواب دہی میں یہ بات شامل ہے کہ تمھارے حلقہ نبوت میں کوئی شخص باطل پرست نہ رہ جائے۔ لہٰذا اس فکر میں خواہ مخواہ اپنے ذہن کو پریشان نہ کرو کہ اندھوں کو کس طرح بینا کیا جائے اور جو آنکھیں کھول کر نہیں دیکھنا چاہتے، انھیں کیسے دکھایا جائے۔

اگر فی الواقع حکمت الٰہی کا تقاضا یہی ہوتا کہ دنیا میں کوئی شخص باطل پرست نہ رہنے دیا جائے تو اللہ کو یہ کام تم سے لینے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا اس کا ایک ہی تکوینی اشارہ تمام انسانوں کو حق پرست نہ بنا سکتا تھا؟

مگر وہاں تو مقصود سرے سے یہ ہے ہی نہیں۔ مقصود تو یہ ہے کہ انسان کے لیے حق اور باطل کے انتخاب کی آزادی باقی رہے اور پھر حق کی روشنی اس کے سامنے پیش کر کے اس کی آزمایش کی جائے کہ وہ دونوں چیزوں میں سے کس کو انتخاب کرتا ہے۔ پس تمھارے لیے صحیح طرزِ عمل یہ ہے کہ جو روشنی تمھیں دکھادی گئی ہے' اس کے اجالے میں سیدھی راہ پر خود چلتے رہو اور دوسروں کو اس کی دعوت دیتے رہو۔ جو لوگ اس دعوت کو قبول کرلیں انھیں سینے سے لگاؤ اور ان کا ساتھ نہ چھوڑو' خواہ وہ دنیا کی نگاہ میں کیسے ہی حقیر ہوں اور جو اسے قبول نہ کریں ان کے پیچھے نہ پڑو' جس انجامِ بد کی طرف وہ خود جانا چاہتے ہیں اور جانے پر مصر ہیں' اس کی طرف جانے کے لیے انھیں چھوڑ دو۔

۴- تبلیغ کا آسان طریقہ

وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ○ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ○ (الاعلٰی ۸۷: ۸-۹)

"اور اے نبیؐ' ہم تم کو آسان طریقے کی سہولت دیتے ہیں' پس نصیحت کرو اگر نصیحت نافع ہو"۔

یعنی اے نبیؐ' ہم تبلیغِ دین کے معاملے میں تم کو کسی مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتے کہ تم بہروں کو سناؤ اور اندھوں کو راہ دکھاؤ بلکہ آسان طریقہ تمھارے لیے میسر کیے دیتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ نصیحت کرو جہاں تمھیں یہ محسوس ہو کہ کوئی اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے تیار ہے۔ اب رہی یہ بات کہ کون اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے تیار ہے اور کون نہیں ہے؟ تو ظاہر ہے کہ اس کا پتا تبلیغِ عام ہی سے چل سکتا ہے۔ اس لیے عام تبلیغ تو جاری رکھنی چاہیے مگر اس سے مقصود یہ ہونا چاہیے کہ اللہ کے بندوں میں سے ان لوگوں کو تلاش کیا جائے جو اس سے فائدہ اٹھا کر راہِ راست اختیار کرلیں۔ یہی لوگ تمھاری نگاہِ التفات کے مستحق ہیں اور انھی کی تعلیم و تربیت پر تمھیں توجہ صرف کرنی چاہیے۔ ان کو چھوڑ کر ایسے لوگوں کے پیچھے پڑنے کی تمھیں کوئی ضرورت نہیں ہے جن کے متعلق تجربے سے تمھیں معلوم ہو جائے کہ وہ کوئی نصیحت قبول نہیں کرنا چاہتے۔

۵- اہمیت کے حامل لوگ

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ (الانعام ۶: ۵۲)

"اور اے نبیؐ' جو لوگ اپنے رب کو رات دن پکارتے رہتے ہیں اور اس کی خوشنودی کے طلب گار ہیں' انھیں اپنے سے دور نہ پھینکو۔ ان کے حساب میں سے کسی چیز کا بار تم پر نہیں اور تمھارے حساب میں سے کسی چیز کا بار ان پر نہیں۔ پھر بھی تم انھیں دور پھینکو گے تو ظالم ہو گے"۔

جو لوگ ابتدا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے' ان میں بکثرت ایسے بھی تھے جو

غریب یا محنت پیشہ تھے۔ قریش کے بڑے بڑے سرداروں اور کھاتے پیتے لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر من جملہ دوسرے اعتراضات کے ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ آپؐ کے گردوپیش ہماری قوم کے غلام' موالی اور ادنیٰ طبقے کے لوگ جمع ہو گئے ہیں۔ وہ طعنہ دیا کرتے تھے کہ اس شخص کو ساتھی بھی کیسے کیسے "معزز" لوگ ملے ہیں' بلالؓ ' عمارؓ ' صہیبؓ ' خبابؓ۔ بس یہی لوگ اللہ کو ہمارے درمیان ایسے ملے ہیں جن کو برگزیدہ کہا جا سکتا تھا! پھر وہ ایمان لانے والوں کی خستہ حالی کا مذاق اڑانے پر ہی اکتفا نہ کرتے تھے بلکہ ان میں سے جس کسی سے کبھی کوئی اخلاقی کمزوری ایمان لانے سے پہلے ظاہر ہوئی تھی' اس پر حرف گیریاں کرتے اور کہتے تھے کہ فلاں جو کل تک یہ تھا اور فلاں جس نے یہ کیا تھا' آج وہ بھی اس "برگزیدہ گروہ" میں شامل ہے۔ چنانچہ اسی سورہ انعام کی آیت ۵۳ میں ان کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ "کیا یہی ہیں وہ لوگ جن پر ہمارے درمیان اللہ کا فضل و کرم ہوا ہے؟" انھی باتوں کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ طالب حق بن کر تمھارے پاس آتے ہیں' انھیں ان بڑے بڑے لوگوں کی خاطر اپنے سے دور نہ پھینکو۔ اسلام لانے سے پہلے کوئی کسی غلطی کا مرتکب ہوا بھی تھا تو اس کی ذمہ داری تم پر تو عائد نہیں ہوتی۔

حضرت ابن مکتومؓ کا واقعہ

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں مکہ مکرمہ کے چند بڑے سردار بیٹھے ہوئے تھے کہ حضورؐ ان کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش فرما رہے تھے۔ اتنے میں ابن ام مکتوم نامی ایک نابینا حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے آپؐ سے اسلام کے متعلق کچھ پوچھنا چاہا۔ حضورؐ کو ان کی یہ مداخلت ناگوار ہوئی۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سورہ عبس نازل ہوئی:

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی ○ اَنْ جَآءَہُ الْاَعْمٰی ○ (عبس ۸۰: ۱-۲)

"ترش رو ہوا اور بے رخی برتی اس بات پر کہ وہ اندھا اس کے پاس آگیا"۔

بظاہر کلام کے آغاز کا انداز بیان دیکھ کر آدمی یہ محسوس کرتا ہے کہ نابینا سے بے رخی برتنے اور بڑے بڑے سرداروں کی طرف توجہ کرنے کی بنا پر اس سورہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب فرمایا گیا ہے لیکن پوری سورت عبس پر مجموعی حیثیت سے غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دراصل عتاب کفار قریش کے ان سرداروں پر کیا گیا ہے جو اپنے تکبر اور ہٹ دھرمی اور صداقت سے بے نیازی کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ حق کو حقارت کے ساتھ رد کر رہے تھے' اور حضورؐ کو تبلیغ کا صحیح طریقہ بتانے کے ساتھ ساتھ اس طریقے کی خامی سمجھائی گئی ہے جو ابتدائے رسالتؐ کے کام کی ابتدا میں آپؐ اختیار فرما رہے تھے۔ آپؐ کا ایک نابینا سے بے رخی برتنا اور سرداران قریش کی طرف توجہ کرنا کچھ اس بنا پر نہ تھا کہ آپؐ بڑے لوگوں کو معزز اور ایک بیچارے نابینا کو حقیر سمجھتے تھے' اور معاذ اللہ یہ کوئی کج خلقی آپؐ کے اندر پائی جاتی تھی جس

پر اللہ تعالیٰ نے گرفت فرمائی' بلکہ معاملے کی اصل نوعیت یہ ہے کہ ایک داعی جب اپنی دعوت کا آغاز کرنے لگتا ہے تو فطری طور پر اس کا رجحان اس طرف ہوتا ہے کہ قوم کے بااثر لوگ اس کی دعوت قبول کرلیں تا کہ کام آسان ہو جائے' ورنہ عام بے اثر' معذور یا کمزور لوگوں میں دعوت پھیل بھی جائے تو اس سے کوئی بڑا فرق نہیں پڑ سکتا۔

قریب قریب یہی طرز عمل دعوت کی ابتدا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اختیار فرمایا تھا جس کا محرک سراسر اخلاص اور دعوت حق کو فروغ دینے کا جذبہ تھا نہ کہ بڑے لوگوں کی تعظیم اور چھوٹے لوگوں کی تحقیر کا تخیل۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو سمجھایا کہ اسلامی دعوت کا صحیح طریقہ یہ نہیں ہے' بلکہ اس دعوت کے نقطہ نظر سے ہر وہ انسان اہمیت رکھتا ہے جو طالب حق ہو' چاہے وہ کیسا ہی کمزور' بے اثر' یا معذور ہو' اور ہر وہ شخص غیراہم ہے جو حق سے بے نیازی برتے' خواہ وہ معاشرے میں کتنا ہی بڑا مقام رکھتا ہو۔ اس لیے آپؐ اسلام کی تعلیمات تو ہانکے پکارے سب کو سنائیں' مگر آپؐ کی توجہ کے اصل مستحق وہ لوگ ہیں جن میں قبول حق کی آمادگی پائی جاتی ہو' اور آپؐ کی بلند پایہ دعوت کے مقام سے یہ بات فروتر ہے کہ آپؐ اسے ان مغرور لوگوں کے آگے پیش کریں جو اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں یہ سمجھتے ہیں کہ ان کو آپؐ کی نہیں بلکہ آپؐ کو ان کی ضرورت ہے۔

یہی وہ اصل نکتہ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ دین کے معاملے میں اس موقع پر نظر انداز کر دیا تھا اور اسی کو سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے ابن ام مکتومؓ کے ساتھ آپؐ کے طرز عمل پر گرفت فرمائی پھر آپؐ کو بتایا کہ داعی حق کی نگاہ میں حقیقی اہمیت کس چیز کی ہونی چاہیے اور کس کی نہ ہونی چاہیے۔ ایک وہ شخص ہے جس کی ظاہری حالت صاف بتا رہی ہے کہ وہ طالب حق ہے' اس بات سے ڈر رہا ہے کہ کہیں وہ باطل کی پیروی کر کے خدا کے غضب میں مبتلا نہ ہو جائے۔ اس لیے وہ راہ راست کا علم حاصل کرنے کی خاطر خود چل کر آتا ہے۔ دوسرا وہ شخص ہے جس کا رویہ صریحاً یہ ظاہر کر رہا ہے کہ اس میں حق کی کوئی طلب نہیں پائی جاتی' بلکہ وہ اپنے آپ کو اس سے بے نیاز سمجھتا ہے کہ اسے راہ راست بتائی جائے۔ ان دونوں قسم کے آدمیوں کے درمیان دیکھنے کی چیز یہ نہیں ہے کہ کون ایمان لے آئے تو دین کے لیے بہت مفید ہو سکتا ہے اور کس کا ایمان لانا دین کے فروغ میں کچھ زیادہ مفید نہیں ہو سکتا' بلکہ دیکھنا یہ چاہیے کہ کون ہدایت کو قبول کر کے سدھرنے کے لیے تیار ہے اور کون اس متاع گراں مایہ کا سرے سے قدر دان ہی نہیں ہے۔

پہلی قسم کا آدمی خواہ اندھا ہو' لنگڑا ہو' لولا ہو' فقیرِ بے نوا ہو' بظاہر دین کے فروغ میں کوئی بڑی خدمت انجام دینے کے قابل نظر نہ آتا ہو' بہرحال داعیِ حق کے لیے وہی قیمتی آدمی ہے' اسی کی طرف اسے توجہ کرنی چاہیے' کیونکہ اس دعوت کا اصل مقصد بندگان خدا کی اصلاح ہے' اور اس شخص کا حال یہ بتا رہا ہے کہ

اسے نصیحت کی جائے گی تو وہ اصلاح قبول کر لے گا۔ رہا دوسری قسم کا آدمی تو خواہ وہ معاشرے میں کتنا ہی بااثر ہو' اس کے پیچھے پڑنے کی داعی حق کو کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس کی روش علانیہ یہ بتا رہی ہے کہ وہ سدھرنا نہیں چاہتا۔ اس لیے اس کی اصلاح کی کوشش میں وقت صرف کرنا' وقت کا ضیاع ہے۔ وہ اگر نہ سدھرنا چاہے تو نہ سدھرے' نقصان اس کا اپنا ہو گا' داعی حق پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں۔

۶- تبلیغ کی حکمت

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (العنکبوت ۲۹:۴۶)۔

"اور اہل کتاب سے بحث نہ کرو مگر عمدہ طریقے سے"۔

یعنی مباحثہ معقول دلائل کے ساتھ' مہذب و شائستہ زبان میں' اور افہام و تفہیم کی سپرٹ میں ہونا چاہیے تاکہ جس شخص سے بحث کی جا رہی ہو' اس کے خیالات کی اصلاح ہو سکے۔ مبلغ کو فکر اس بات کی ہونی چاہیے کہ وہ مخاطب کے دل کا دروازہ کھول کر حق بات اس میں اتار دے اور اسے راہ راست پر لائے۔ اس کو ایک پہلوان کی طرح نہیں لڑنا چاہیے جس کا مقصد اپنے مدمقابل کو نیچا دکھانا ہوتا ہے' بلکہ اس کو ایک حکیم کی طرح چارہ گری کرنی چاہیے جو مریض کا علاج کرتے ہوئے ہروقت یہ بات ملحوظ رکھتا ہے کہ اس کی اپنی کسی غلطی سے مریض کا مرض اور زیادہ بڑھ نہ جائے اور اس امر کی پوری کوشش کرتا ہے کہ کم سے کم تکلیف کے ساتھ مریض شفایاب ہو جائے۔ یہ ہدایت اس مقام پر تو موقع کی مناسبت سے اہل کتاب کے ساتھ مباحثہ کرنے کے معاملے میں دی گئی ہے' مگر یہ اہل کتاب کے لیے مخصوص نہیں ہے' بلکہ تبلیغ دین کے باب میں ایک عام ہدایت ہے جو قرآن مجید میں جگہ جگہ دی گئی ہے' مثلاً:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (النحل ۱۶:۱۲۵)۔

"دعوت دو اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ پند و نصیحت کے ساتھ' اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقے پر جو بہترین ہو"۔

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ○ (حٰمٓ السجدہ ۴۱:۳۴)

"بھلائی اور برائی یکساں نہیں ہیں' (مخالفین کے حملوں کی) مدافعت ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو۔ تم دیکھو گے کہ وہی شخص جس کے اور تمہارے درمیان عداوت تھی' وہ ایسا ہو گیا جیسے گرم جوش دوست ہے"۔

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ○ (المومنون ۲۳:۹۶)۔

"تم بدی کو اچھے ہی طریقے سے دفع کرو۔ ہمیں معلوم ہے جو باتیں وہ (تمہارے خلاف) بناتے ہیں"۔

(جاری)

امام مسجد قبا

شاہ بلیغ الدین

اصطخر' ایران سے ایک لڑکا پکڑا گیا۔ عرب کی سرزمین پر لا کر بیچ دیا گیا۔ مکہ مکرمہ کے ایک گھرانے میں وہ کام کرنے لگا--- غلام کی حیثیت سے! اسلام پھیل رہا تھا۔ جب بتایا گیا کہ غلاموں کو آزاد کرنا بڑا ثواب ہے تو یہ لڑکا آزاد کر دیا گیا۔ آزادی بڑی نعمت ہے' لیکن وہ کہاں جاتا؟ مکہ کے ایک اور مسلمان گھرانے نے اسے پناہ دی۔ اس مرتبہ بیٹے کی حیثیت سے۔ منہ بولا بیٹا بنانے والے تھے حضرت حذیفہؓ' ایک بزرگ صحابی جو شرکائے بدر میں سے تھے۔ بیٹا بنا کر انھوں نے اپنی بھتیجی فاطمہ بنت ولید کو اس نوجوان سے بیاہ دیا۔ حضرت ابوحذیفہؓ کا گھرانا مکہ کے رئیسوں کا گھرانا تھا۔ حضرت ابوحذیفہؓ عتبہ کے بیٹے تھے' ہندہ زوجہ ابوسفیانؓ کے بھائی۔ حضرت ابوحذیفہؓ ایمان لا کر مدینہ آگئے تو یہ لڑکا بھی ساتھ ہی ہجرت کر گیا۔

اس گھرانے میں اس غلام لڑکے کو برابر کا درجہ دیا گیا۔ صرف اس لیے کہ اسلام مساوات کا سبق دیتا ہے۔ حد یہ کہ یہ لڑکا سالمؓ بن ابی حذیفہؓ کہلانے لگا۔ بالکل اسی طرح جیسے حضرت زید بن حارثہؓ حضور اکرمؐ کے فرزند کہلاتے تھے' حالانکہ تھے وہ بھی خریدے ہوئے غلام۔ یہ جو حضرت ابوحذیفہؓ نے حضرت سالمؓ کو منہ بولا بیٹا بنا کر اپنی بھتیجی سے بیاہ دیا تھا' تو یہ اصل میں اسوۂ حسنہ پر چلنے کی تڑپ تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ بنت جحش کو حضرت زید بن حارثہؓ کے نکاح میں دے دیا تھا۔ اس لیے حضرت ابوحذیفہؓ نے بھی اس سنت پر عمل کیا۔

پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ آیت نازل ہوئی جس کا مطلب ہے--- ہر ایک کو اس کے باپ کی نسبت سے پکارا کرو۔ یہ خدا کے نزدیک زیادہ قرین انصاف ہے۔

بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ حضرت زید بن حارثہؓ' حضور اکرمؐ کے لے پالک کو ہم زید بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو پھر ہم نے ایسا نہیں کہا۔ اسی دن سے حضرت سالمؓ بھی ابن کے بجائے مولیٰ ابی حذیفہؓ کے نام سے مشہور ہوئے' یعنی حضرت ابوحذیفہؓ کے آزاد کردہ غلام۔ ان کا گھر میں آنا جانا بند کر دیا گیا۔ اس لیے کہ وہ اب محرم نہیں رہے تھے۔

حضرت سہلہ بنت سہیلؓ ' حضرت ابوحذیفہؓ کی بیوی خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئیں' عرض کیا: یارسولؐ اللہ! سالم کو ہم اپنا لڑکا سمجھتے تھے۔ وہ ہمیشہ گھر میں آتا جاتا تھا لیکن اب ابوحذیفہؓ کو ناگوار گزرتا ہے۔ اللہ اکبر! ان بزرگوں کو کس درجہ شرعی احکام کا خیال تھا۔ خدا اور اس کے رسولؐ سے محبت انھیں اتنی زیادہ تھی کہ ہر محبت پر غالب آگئی تھی۔

حضرت ابوحذیفہؓ منہ بولے بیٹے کے دیوانے تھے۔ پیٹ کی اولاد سے زیادہ چاہتے تھے لیکن جو بات خدا کو پسند نہ تھی وہ اب انھیں بھی پسند نہ تھی۔ رسالتؐ پناہ نے ارشاد فرمایا حضرت سہلہؓ سے --- اس کو دودھ پلاؤ' وہ تمھارا رضاعی بیٹا ہو جائے گا۔ اس عمر میں دودھ کی حرمت! ابوداود میں حضرت ام سلمہؓ کی روایت ہے کہ یہ ایک مخصوص حکم تھا حضرت سالمؓ کے لیے' ورنہ جوانی کی حالت میں دودھ کی حرمت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حضرت سالمؓ مکہ میں ایمان لے آئے تھے۔ وہاں حضور اکرمؐ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کو ان کا دینی بھائی بنا دیا تھا۔

صحابہ کرامؓ میں ہر ایک کی اپنی اپنی فضیلت تھی۔ حضرت سالمؓ بھی ایک وصف میں بڑے ممتاز تھے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی طرح وہ بھی فن قرأت کے امام مانے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور اکرمؐ نے حضرت عائشہؓ کو یاد فرمایا۔ غالباً آپؐ امہات المومنین میں سے کسی اور کے کمرے میں تشریف رکھتے تھے۔ اصابہ میں ہے کہ حضرت عائشہؓ کو وہاں پہنچتے پہنچتے کچھ دیر ہو گئی۔ رسالتؐ پناہ نے دریافت فرمایا کہ دیر کیسے ہوئی؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ نہ جانے کون اس وقت مسجد نبویؐ میں تلاوت کر رہا ہے۔ کیا بتاؤں کہ کس قدر خوش الحان ہے وہ شخص! میرے پاؤں ہی نہ اٹھتے تھے کہ اپنے حجرے سے چلی آتی۔ حضور اکرمؐ نے یہ سنا تو باہر تشریف لے گئے۔ ملاحظہ فرمایا کہ حضرت سالمؓ ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے تمھارے جیسے شخص کو میرا پیرو بنایا۔ اللہ اللہ! حضرت سالمؓ کی کیا خوش بختی تھی کہ سرور کونینؐ ان کے مسلمان ہونے پر اس درجہ مسرت محسوس فرما رہے تھے۔

حضرت سالمؓ مسجد قبا کے امام تھے۔ بخاری' کتاب الاحکام کی روایت کے مطابق حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بھی ان کے پیچھے نماز پڑھی تھی۔

ارشاد نبویؐ تھا کہ کلام اللہ چار آدمیوں سے پڑھو۔ ان میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ' حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کے ساتھ حضرت سالمؓ مولیٰ ابی حذیفہؓ کا نام بھی شامل ہے۔ یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرامؓ اس آزاد غلام کی وہ عزت کرتے تھے کہ بڑے سے بڑے آدمی کی بھی اتنی عزت نہ ہوتی تھی۔ ان کی منزلت کا اندازہ اس واقعے سے ہو سکتا ہے کہ اپنی شہادت کے وقت حضرت عمرؓ کو یہ

حسرت تھی کہ کاش حضرت سالمؓ زندہ ہوتے! حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر حضرت سالمؓ زندہ ہوتے تو میں خلیفہ کے انتخاب کے لیے مجلس شوریٰ مقرر نہ کرتا۔ حضرت سالمؓ کو اپنا جانشین بناتا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ پرہیزگاری، علم و فضل اور عقل و فراست، ہر لحاظ سے وہ بڑے اونچے مرتبے کے صحابی تھے۔

۱۲ ہجری میں یمامہ کی لڑائی میں حضرت سالمؓ نے شہادت پائی۔ آپ شرکائے بدر میں سے تھے اور اس فضیلت کے مالک کہ عہد نبویؐ کے کسی معرکے میں غیر حاضر نہیں رہے۔ یمامہ میں مہاجرین کے علم بردار تھے۔ کسی نے انھیں علم لیے دیکھا تو کہا کہ معرکہ سخت ہے، حضرت سالمؓ مقابلے میں ٹک نہ سکیں گے۔ بہتر ہے عَلَم کسی اور جری کو دے دیا جائے۔ اسد الغابہ میں ہے کہ حضرت سالمؓ نے جواب دیا: اگر میں بزدلی دکھاؤں تو مجھ سے برا قرآن کا پڑھنے والا اور کوئی نہ ہو گا۔ یمامہ کی لڑائی سخت ترین لڑائی تھی جو اس وقت تک کبھی مسلمانوں نے لڑی تھی۔ ابن سعد لکھتے ہیں کہ جب میدان جنگ میں یمامہ والوں کو غلبہ ہوا اور انھوں نے بری طرح مسلمانوں کو پیچھے دھکیل دیا تو اس وقت لوگوں نے سنا، حضرت سالمؓ کہتے تھے: افسوس! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو ہمارا یہ حال نہ تھا۔

ابن سعد لکھتے ہیں کہ انھوں نے ایک گڑھا کھود لیا تھا۔ اس میں پیر جمائے پرچم اسلام لیے کھڑے تھے۔ دشمن وار پر وار کیے جا رہے تھے لیکن وہ اپنی جگہ پر ڈٹے رہے۔ ظالموں نے دیکھا کہ ان کی وجہ سے ان کے ساتھیوں کا حوصلہ بڑھ رہا ہے تو گھیر کر ان کا وہ ہاتھ کاٹ دیا جس میں پرچم اسلامی تھا۔ بہادر نے پرچم دوسرے ہاتھ میں لے لیا۔ دوسرا ہاتھ بھی کاٹ دیا گیا تو پرچم کو سینے سے لگا لیا۔ لیکن ایک انچ اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔ اسد الغابہ میں ہے کہ شہادت سے پہلے زخموں سے چور ہو کر گرے تو ساتھیوں میں سے کوئی پرچم اٹھانے اور انھیں سنبھالنے آیا۔ اس سے پوچھا: ابوحذیفہؓ کیسے ہیں؟ بتایا گیا، شہید ہوئے۔ بولے: وہ شخص کیسا ہے جس نے مجھ پر شبہہ ظاہر کیا تھا؟ کہا گیا کہ اس نے بھی شہادت پائی۔ یہ سن کر فرمایا: الحمدللہ! مجھے ان دونوں کے درمیان دفن کیا جائے۔

سر خاک شہیداں برگ ہائے لالہ می پاشم!!
کہ خونش بانہال ملت ما سازگار آمد

(بزم الف لام میم کا ایک باب)

محکمہ تعلیم (پنجاب) نے ماہنامہ ترجمان القرآن کو صوبہ بھر کے تعلیمی اداروں (اسکول / کالج) کی لائبریریوں اور پبلک لائبریریوں کے لیے باقاعدہ منظور کر لیا ہے۔ (بحوالہ سرکلر نمبر SO (A-IV) 4-45/99، 1255G-III، 14-1-2000 مورخہ ۲۶ جنوری ۲۰۰۰ء)

بازار میں آواز لگ رہی ہے :
لوٹ سیل لگادی ہے' ۱۰ لاکھ کی چیز صرف ۱۰ ہزار میں'
۲ کروڑ کی چیز صرف ۲۰ روپے میں !
صرف چند لوگ دیکھنے پوچھنے رک گئے'
کوئی ہجوم نہ لگا' کوئی دھکم پیل نہ ہوئی'
لوگ اپنے اپنے کاموں سے گزرتے رہے' آتے جاتے رہے

کیوں ؟
گزرنے والے احمق ہیں کہ ایسی نفع بخش پیش کش پر توجہ نہیں دیتے۔
یا وہ کہنے والے کی بات کا یقین نہیں کرتے' اسے دیوانے کی بڑ سمجھتے ہیں

حقیقت یہ ہے کہ
دنیا کے وقت میں نیکی کی سرمایہ کاری کے آخرت میں نفع کی نسبت اس سے بہت زیادہ ہے کہ اسے لاکھوں کروڑوں میں شمار کیا جائے
دنیا چھنگلی میں لگ جانے والا پانی کا قطرہ ہے' اور آخرت' سمندر' بلکہ اس سے بھی زیادہ
تصور تو کریں' نہ ختم ہونے والا عیش و آرام' باغ' نہریں' پھل' حور و غلمان' جو جو چاہیں' جتنا چاہیں'

جو نہیں مانتے---ان کی بات نہیں'
ہم مسلمان ہیں' جانتے ہیں' مانتے ہیں'
پھر اپنی اس مختصر سی زندگی کے صحت و فراغت کے لمحات میں'
آخرت کے لیے کھیتی کرنے سے کیوں چوکتے ہیں'
کیوں ؟ (اپنے آپ سے جواب لیں)

(خیر خواہ)

تحریکی جدوجہد میں مایوسی کا عنصر

اختر حسین عزمی ○

"اس قوم کا کیا بن سکتا ہے؟ اس کے لیے تو تباہی مقدر ہے' آپ جتنی کوشش چاہیں کر لیجیے کوئی فائدہ نہ ہو گا' زمانہ بہت خراب ہے"--- یہ فقرے اکثر سننے میں آتے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے ہر فرد مایوس ہے۔ نہ اسے اپنے مستقبل پر یقین ہے اور نہ دعوت اسلامی کی کامیابی پر۔ اس مایوسی میں اضافے کا ایک اندازہ خودکشی اور خودسوزی کے بڑھتے ہوئے واقعات سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔ اس بڑھتی ہوئی مایوسی نے جہاں اور بہت سے مسائل کو جنم دیا ہے' وہاں بے حسی' اخلاقی جرات کا فقدان' قومی معاملات سے لاتعلقی اور اصلاح کے لیے قربانی کے جذبے کا فقدان نمایاں ہیں۔

قوم کا وہ طبقہ جو زینت محراب و منبر ہے اور قوم کی فکری رہنمائی جس کا دینی فریضہ ہے اور جو مایوس کن حالات میں قوم کی صحیح رہنمائی کر سکتا ہے' وہ بھی اس بگاڑ کی محض نشان دہی اور اظہار ناراضی کر کے فریضہ دعوت کی ادائیگی سے پہلوتہی کیے ہوئے ہے۔ داعیان دین اور کارکنان تحریک اسلامی بھی مایوسی کے ان اثرات سے محفوظ نہیں ہیں۔ درحقیقت مایوسی وبددلی کا خاتمہ تحریک اسلامی کے لیے آج ایک بڑے چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔

غصہ' نفرت' انتقام' خوف اور حرص کی طرح مایوسی کا عنصر بھی انسانی فطرت میں پایا جاتا ہے۔ انسان چونکہ تھڑدلا پیدا کیا گیا ہے (اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ○ المعارج ۷۰: ۱۹)' اس لیے جب اس پر کوئی مصیبت آتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے (اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ○ المعارج ۷۰: ۲۰) اور مایوس و دل شکستہ ہو جاتا ہے (وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَئُوْسٌ قَنُوْطٌ ○ حٰمٓ السجدہ ۴۱:۴۹)۔ حقائق کی دنیا میں انسانی توقعات اور منصوبے شکست و ریخت کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔ اس ناکامی میں کہیں تو اس کی عملی کوتاہیوں کا دخل ہوتا ہے (وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۔ الروم ۳۰:۳۶)' کہیں انسان کی فطری عجلت پسندی و جلد بازی کا ہاتھ

○ لیکچرار' گورنمنٹ ڈگری کالج' چوکی

ہوتا ہے کیونکہ جلدبازی اس کی فطرت تخلیق میں شامل ہے (خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ط الانبیا ۲۱:۳۷)۔ انسان جس طرح کاروبار دنیا میں فوری نفع کا خواہش مند ہوتا ہے' اسی طرح دعوت و اصلاح کے بھی دیرپا نتائج کے بجائے فوری ثمرات دیکھنا چاہتا ہے: كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ○ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ○ (القیامہ ۷۵: ۲۰-۲۱) ہرگز نہیں' دراصل تم لوگ جلد حاصل ہونے والی چیز (دنیا) سے محبت رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو۔

اقامت دین کی تحریک زندگی کے تمام شعبوں میں اعتدال و توازن کے ساتھ ہمہ پہلو کام کرتی ہے' اور صرف پاکیزہ طریقے اپناتی ہے۔ اس کے لیے عزم بالجزم کی ضرورت ہوتی ہے' جب کہ انسانی عزم کی کمزوری بار بار اس کے آڑے آتی ہے: وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ○ (طٰهٰ ۲۰:۱۱۵) ہم نے اس سے پہلے آدم کو حکم دیا تھا مگر وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں عزم نہ پایا--- یہی وجہ ہے کہ دیگر دنیاوی تحریکوں کی آزاد روی کے مقابلے میں اسلامی تحریک کی جائز و ناجائز کی پابندیاں عجلت پسند انسان پر گراں گزرتی ہیں۔ کبھی ایک داعی صبرآزما آئینی جدوجہد کو ایک غیرضروری کام سمجھ کر کسی شارٹ کٹ' تشدد اور تلوار کی طرف لپکتا ہے' تو کبھی گردش مدام سے گھبرا کر خانقاہ کے گوشۂ عافیت میں سکون کا متلاشی ہوتا ہے: وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ○ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ○ (البلد ۹۰:۱۰-۱۱) اور دونوں نمایاں راستے اسے دکھا دیے گئے مگر اس نے دشوار گزار گھاٹی سے گزرنے کی ہمت نہ کی۔

اس بددلی کے نتیجے میں کچھ باصلاحیت اور مخلص افراد محدود مذہبی زندگی پر قانع ہو رہتے ہیں' اور کچھ اپنی غلطیوں کے ازالے کے لیے اس طرح غرق دنیا ہوتے ہیں کہ دوسروں کے لیے بھی سامان عبرت بن جاتے ہیں۔ یہ صورت حال دوسرے کارکنوں پر بھی اثرانداز ہوتی ہے۔ ان کے جذبات ٹھنڈے ہونا شروع ہو جاتے ہیں' حالات سے سمجھوتہ کرنے کے جواز تلاش کر لیے جاتے ہیں' اور پھر جس طرح چینی' پانی میں گھل جاتی ہے وہ بھی اسی معاشرت کا حصہ بن جاتے ہیں جسے تبدیل کرنے کا داعیہ لے کر کبھی وہ اٹھے تھے۔ تحریک سے ذہنی عقیدت اور جماعتی عصبیت تو ختم نہیں ہوتی لیکن نصب العین سے جذباتی وابستگی اور والہانہ لگاؤ دم توڑ جاتا ہے: رہ گئی رسم اذاں' روح بلالی نہ رہی

دعوتی عمل میں مایوسی جن مختلف راہوں سے داخل ہوتی ہے ان کی الگ الگ تشخیص اور علاج کی ضرورت ہے۔ اصلاح و ہدایت کے کام سے مایوسی کی بنیادی وجہ انسان کا اپنی داعیانہ حیثیت' نصرت الٰہی کے قانون اور فطرت انسانی کے چند حقائق کو نہ سمجھنا ہے۔ اگر ان حقائق کو سمجھ لیا جائے تو مایوسی کا کافی حد تک ازالہ کیا جا سکتا ہے--- مایوس انسان سمجھتا ہے کہ میری تبلیغ کا اثر نہیں ہوا' اس لیے اصلاح معاشرہ ناممکن ہے۔ مجھے اچھے نتائج حاصل نہیں ہوئے اس لیے آئین و قانون کے ذریعے انقلاب ناممکن ہے۔

ہمارا کام صرف دعوت و تذکیر ہے: یہ سمجھنا ضروری ہے کہ دعوت حق کو اچھے طریقے سے پہنچانے کا حق ادا کرنا ہماری بنیادی ذمہ داری ہے، دل بدلنا نہیں۔ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ○ (یٰسٓ ۳۶:۱۷) اور ہم پر صاف صاف پیغام پہنچا دینے کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں ہے--- قرآن میں ۱۳ مقامات پر یہ بات ارشاد فرمائی گئی ہے۔ گمراہی کے انجام سے ڈرانا اور خبردار کرنا ہی ہمارا فرض ہے: اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ○ (فاطر ۳۵:۲۳) تم تو بس ایک خبردار کرنے والے ہو--- قرآن میں ۳۱ مقامات پر یہ بات ارشاد فرمائی گئی۔ بھول جانا چونکہ انسانی فطرت ہے اس لیے یاد دہانی کروانا ہمارا کام ہے لیکن کوتوالی کرنا نہیں: فَذَكِّرْ قف اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ○ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ○ (الغاشیۃ ۸۸:۲۱-۲۲) پس نصیحت کیے جاؤ تم بس نصیحت ہی کرنے والے ہو۔ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہو۔

شہادت حق کا مقصد بندوں پر رب کی حجت کا اتمام اور خدا کے حضور اپنا عذر پیش کرنا ہے۔ یوم سبت کی خلاف ورزی پر نہی عن المنکر کرنے والے گروہ کو جب "شرفا" نے سمجھایا کہ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا نِ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ (الاعراف ۷:۱۶۴) تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنھیں اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا سخت سزا دینے والا ہے--- تو انھوں نے جواب دیا: مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ (الاعراف ۷:۱۶۴) ہم یہ سب کچھ تمھارے رب کے حضور اپنی معذرت پیش کرنے کے لیے کرتے ہیں۔

ہدایت صرف اللہ کے اختیار میں ہے: ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ جس سچائی کو وہ پا چکا ہے، اسے دوسرے بھی تسلیم کر لیں۔ لیکن دلوں کا ہدایت کے لیے کھلنا اور اصلاح پذیر ہونا انسانی اختیار میں نہیں۔ بات اللہ کی مدد سے اثر کرتی ہے۔ دل اس کی توفیق سے کھلتے ہیں۔ اصلاح اللہ کے حکم سے ہوتی ہے۔ انسانی مساعی کو شرف کامیابی اللہ کے فضل سے حاصل ہوتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: بے شک بنی آدم کے دل اللہ رحمٰن کی انگلیوں کے درمیان ہیں اور وہ انھیں جیسے چاہے پھیرتا رہتا ہے (مسلم)۔ اس لیے مایوسی سے بچنے کا واحد راستہ یہی ہے کہ ہم مشیت الٰہی میں دخل نہ دیں۔ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰكُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ (النحل ۱۶:۹) اگر وہ چاہتا تو سب کو ہدایت دے دیتا--- مولانا مودودیؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "اس کی مشیت ایک ایسی ذی اختیار مخلوق کو وجود میں لانے کی متقاضی تھی جو اپنی پسند اور اپنے انتخاب سے صحیح اور غلط، ہر طرح کے راستوں پر جانے کی آزادی رکھتی ہو" (تفہیم القرآن، ج ۲، ص ۵۲۸)۔

حضورؐ کے لیے ہر طرح کی قربانی دینے والے چچا ابوطالب آپؐ کی انتہائی کوشش کے باوجود مسلمان نہ ہوئے۔ لہٰذا ہمیں پریشان ہونے کے بجائے دوسروں کی ہدایت کے لیے کوشش اور دعا جاری رکھنی چاہیے: فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ زصلے فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ط (فاطر ۳۵:۸) حقیقت یہ ہے کہ اللہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں ڈال دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہ راست دکھا دیتا

ہے۔ پس اے نبیؐ خوامخواہ تمھاری جان ان لوگوں کی خاطر غم و افسوس میں نہ گھلے--- یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ ہدایت کا ملنا ایک حادثاتی امر نہیں ہے بلکہ ایک مستقل سنت الٰہی کے مطابق ہدایت صرف اسے ملتی ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ وَيَهْدِيٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ○ (الشوریٰ ۴۲: ۱۳)۔ اور وہ اپنی طرف آنے کا راستہ اسی کو دکھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے۔

ہر انسان اپنی وسعت کے مطابق مکلف ہے: دنیا کا بگاڑ دیکھ کر ایک داعی سوچتا ہے کہ اتنے بڑے بگاڑ کی اصلاح میں اکیلا یا ایک چھوٹی سی جماعت کیسے کر سکتی ہے۔ وہ اس بات کو بھول جاتا ہے کہ بڑے سے بڑے کام کا آغاز چھوٹا ہوتا ہے۔ غیروں کی مثال لیں' تو روس اور چین کے انقلاب کس طرح آئے؟ دراصل آدمی کو اپنے حصے کا کام کرنا ہوتا ہے۔ خود تحریک اسلامی کہاں سے کہاں آگئی ہے۔ سیرت کے مطالعے سے نمونہ اور مثال سامنے آتی ہے۔ کوشش ہو تو اللہ کی نصرت بھی آتی ہے۔ پھر ہمیں تو یہ سہولت ہے کہ جواب وہی کی کوشش کی ہے' نتائج کی نہیں۔ جب انسان نتائج کو اپنی ذمہ داری سمجھنے لگے تو مایوسی کا دروازہ کھلتا ہے۔ نتیجتاً بڑا کام تو ایک طرف' چھوٹے دائرے میں جو اصلاحی کام وہ کر سکتا تھا اسے بھی چھوڑ بیٹھتا ہے۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ط (البقرہ ۲: ۲۸۶) اللہ کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا' کے پیش نظر داعی کو اپنی علمی' ذہنی' جسمانی صلاحیتوں اور مادی وسائل کے پیش نظر اپنے روابط اور دائرہ اثر و رسوخ میں کام کرنا چاہیے۔ معاشرے کی اصلاح کے لیے بھی منظم منصوبہ بندی کے تحت تن من دھن سے اپنے حصے کا کردار ادا کرنا چاہیے۔

حضورؐ نے ہر انسان کے دائرہ کار کا تعین کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: قوم کا امام لوگوں پر نگران ہے' اور وہ اپنی رعایا کے بارے میں جواب دہ ہے۔ کسی آدمی کا غلام اس کے مال کا نگران ہے اور وہ اس بارے میں جواب دہ ہے۔ خبردار! تم میں سے ہر ایک نگران ہے' اور اپنی اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے (بخاری' مسلم)۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ ایک فرد کی اصلاح بھی معمولی بات نہیں۔ ایک بگڑے ہوئے نوجوان کی اصلاح سے کئی خاندان نہ صرف اس کی برائی کے اثرات سے محفوظ ہو جاتے ہیں بلکہ وہ ان کے لیے ایک شجر سایہ دار بھی بن جاتا ہے۔ حضورؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا: خدا کی قسم! تیرے ذریعے ایک شخص کا ہدایت پا جانا تیرے لیے سرخ اونٹوں (کے صدقے) سے بہتر ہے (بخاری)۔

نصرت الٰہی کب آتی ہے؟ انبیا کے معجزات اور نیک لوگوں کی کرامات' اللہ کی طرف سے ان کی تائید کا ایک علامتی اظہار ہیں۔ لیکن اصلاح معاشرہ کا کام اللہ نے پہلے بھی انسانوں سے ہی لیا ہے اور آیندہ بھی اس کام کو وہی انجام دیں گے' کوئی اور مخلوق نہیں اترے گی۔ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ

مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ○ (بنی اسرائیل ۱۷:۹۵) ان سے کہو کہ اگر زمین میں فرشتے اطمینان سے چل پھر رہے ہوتے تو ہم ضرور کسی فرشتے کو ہی ان کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجتے۔

دوسری بات یہ ہے کہ چند افراد کا دعویٰ ایمان کرنا یا صاحب کردار بن جانا کافی نہیں ہے بلکہ معاشرے کے اندر جدوجہد، آزمایش اور کش مکش میں سے گزرے بغیر نصرت الٰہی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اگر محض چند اصحاب کے صاحب کردار بن جانے سے غلبہ دین ممکن ہوتا تو مکہ کے صادق و امینؐ اور ان کے ساتھیوں سے زیادہ صاحب کردار کون ہوگا جنھیں قدم قدم پر آزمایشوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اللہ کو اپنے دین کا غلبہ ہی مقصود نہیں ہے بلکہ انسانوں کی آزمایش بھی مقصود ہے کہ ان میں کتنے حق کا ساتھ دینے میں مخلص اور جرأت مند ہیں اور کتنے محض دعوے دار۔ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ط (محمد ۴۷:۴) اللہ چاہتا تو خود ہی ان سے نمٹ لیتا، مگر (یہ طریقہ اس نے اس لیے اختیار کیا ہے) تاکہ تم لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے سے آزمائے۔

فتح و نصرت کے وعدے قرآن میں مومنوں کی اجتماعیت سے کیے گئے ہیں، منفرد و منتشر لوگوں سے نہیں۔ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً م بِاِذْنِ اللّٰهِ ط (البقرہ ۲:۲۴۹) بارہا ایسا ہوا کہ ایک قلیل گروہ اللہ کے اذن سے ایک بڑے گروہ پر غالب آگیا-- نصرت الٰہی کے ساتھ ساتھ مومنین کی تائید و حمایت حاصل کرنا بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ○ (الانفال ۸:۶۲) وہی تو ہے جس نے اپنی مدد اور مومنوں کے ذریعے سے تمھاری تائید کی--- اسی لیے دعوت الی الخیر کا فریضہ اجتماعی طور پر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ (اٰل عمرٰن ۳:۱۰۴) تم میں سے ایک گروہ ایسا ضرور ہونا چاہیے جو نیکی کی طرف بلائے۔

فتح و نصرت کا نزول اس وقت ہوتا ہے جب انسانوں کا ایک معقول گروہ اپنی استطاعت کے مطابق اپنے مادی وسائل اور ذہنی و جسمانی صلاحیتوں کو اس کی راہ میں کھپانے کا حق ادا کر دیتا ہے۔ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ (محمد ۴۷:۷) اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمھاری مدد کرے گا۔

کوشش کی کتنی مقدار پر نصرت الٰہی کا انحصار ہے، اس کا کوئی فارمولا بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس منطقی بحث سے بچتے ہوئے اس مثال کو سامنے رکھیں کہ پانی یا دوسری مائع اشیا کو ابالنے کے لیے ایک مخصوص درجہ حرارت مطلوب ہے، وہ فراہم نہ ہو تو ان میں ابال نہیں آتا۔

کوئی یہ کہے کہ اتنی دیر سے آگ جلائے بیٹھے ہیں، ابال نہیں آ رہا، یہ ایک بے معنی بات ہوگی۔ کیونکہ جب مطلوبہ درجہ حرارت مل جائے گا خود بخود ابال آجائے گا۔ ہمارا کام اس بات پر نظر رکھنا ہے کہ جو لکڑی جلائی گئی تھی وہ صحیح جل رہی ہے یا نہیں؟ کیا وہ لکڑی صحیح آنچ دینے والی بھی ہے؟ یہ بھی ہو سکتا

ہے کہ آگ جل رہی ہو' لیکن ہوا نے اس کا رخ تبدیل کردیا ہو۔ کوئی بھی سبب یا اسباب ہو سکتے ہیں۔ انھیں معلوم کر کے انھیں دور کرنے کی فکر ضرور کرنا چاہیے۔ انقلاب کی جلدی مچانے کے بجائے افرادی قوت کی فکر کی جائے' ان کی سرگرمیوں کا صحیح رخ متعین کیا جائے۔ حالات کی ناسازگاریوں پر بھی نظر رکھی جائے۔ کوتاہیوں پر احتساب ہو اور غلطیوں سے رجوع کیا جائے' یعنی تحریک میں قرآنی اصطلاح کے مطابق استغفار' اصلاح اور توبہ کا عمل زندہ رہے تو انقلاب ضرور اپنا راستہ تلاش کر لے گا۔ پھر بھی اس دنیا کی ناکامی کو ناکامی نہیں سمجھنا چاہیے کیونکہ اِنَّ اللّٰہَ لاَ یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ○ (التوبہ ۹:۱۲۰) یقیناً اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

حسن انتظار: انسان کی فطری خواہش ہے کہ جس انقلاب کے پودے کو وہ سینچ رہا ہے' اس کا وہ پھل بھی کھائے۔ یہ خواہش بری نہیں لیکن آم کا پودا لگانے والے بوڑھے کی طرح یہ خیال بھی رکھنا چاہیے کہ ہمارے بزرگوں نے پودے لگائے تو ہم نے پھل کھائے۔ ہم لگائیں گے تو آیندہ نسلیں اس سے استفادہ کریں گی۔ پھل کے پکنے کا انتظار بھی ضروری ہوتا ہے۔

انسانی جذبات میں مدوجزر ایک حقیقت ہے۔ انسان کبھی ہٹ دھرم ہے تو کبھی نرم' کبھی نفرت کا اظہار کرتا ہے تو کبھی محبت کا پرچار۔ کبھی تعصبات قبول حق میں رکاوٹ بنتے ہیں تو کبھی معاشی مفادات حائل ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کو قبول حق میں ذرا سی دیر نہ لگی۔ حضرت عمرؓ کی کش مکش چھ سال میں ختم ہوئی۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کے حجابات ہٹنے میں ۲۰ برس لگ گئے' جب کہ حضرات ابوسفیانؓ و عکرمہؓ نے فیصلہ کرنے میں ۲۱ برس لیے۔ اس لیے بے صبری کا مظاہرہ کرنے کے بجائے ہمیں اپنی سعی جاری رکھنی چاہیے۔ ہم نہیں جانتے کہ مستقبل میں اللہ تعالیٰ ہماری مساعی کی پذیرائی کس انداز میں کرے گا۔

قرب قیامت کا جواز: بعض افراد احادیث کے یک رخے مطالعے سے یہ سمجھتے ہیں کہ ہر آنے والا دن پہلے کی نسبت خراب ہی ہو گا۔ لہٰذا اصلاح کی کوششیں کارلاحاصل ہیں۔ اس سوچ کی کوئی سائنٹی فک بنیاد نہیں سوائے اس کے کہ انسان حال کی تلخیوں کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کے بجائے ماضی کی رومانویت میں پناہ لینا چاہتا ہے۔ قرب قیامت کی علامتوں کا بیان ان برائیوں سے خبردار کرنے اور اصلاح کی ضرورت کو اجاگر کرنے کے لیے تھا' نہ کہ حالات سے مایوس کرنے کے لیے۔ علامات قیامت کا ظہور برحق ہے لیکن اس سے تو رفتار کار پر مثبت اثرات ہونے چاہییں۔ چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی کی ستیزہ کاری ایک ازلی حقیقت ہے۔ بگاڑ کے ادوار پہلے بھی آئے اور مصلحین کی کوششوں نے صورت حال تبدیل کر دی۔

آخری دور کی امت خرابیوں کی ہی نہیں بہت سے فضائل کی حامل بھی ہو گی۔ حضرت ابوجمعہؓ صحابی رسولؐ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسولؐ اللہ کے ساتھ ہم نے کھانا کھایا۔ حضرت ابوعبیدہ ابن الجراحؓ نے

سوال کیا: یا رسول اللہ! ہم سے بڑھ کر بھی کوئی بہتر ہو سکتا ہے کیونکہ ہم اسلام لائے' آپؐ کے ساتھ مل کر جہاد کیا؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں! وہ لوگ جو تمھارے بعد پیدا ہوں گے' مجھ پر ایمان لائیں گے' جب کہ انھوں نے مجھے دیکھا تک نہ ہو گا (احمد' دارمی)۔

ظہور مہدی کا انتظار: امام مہدی کے ظہور کی پیش گوئی بھی بے عملی کا جواز بن گئی ہے--- چونکہ اصلاح امت تو اس وقت ہو گی جب ظہور مہدی ہو گا' اس لیے اس سے پہلے ایک ناکام جدوجہد میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ گویا کہ صرف امام مہدی کے ظہور کی دیر ہے ورنہ لوگ تو سب کچھ تج کر ان کی معیت میں کفر کے خلاف لڑنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔ اصلاح و انقلاب کا یہ تصور قرآن کی بیان کردہ سنت الٰہی کے خلاف ہے۔ ظہور مہدی کے وقت حالات کی درستی کسی پاکیزہ ہوا کے چلنے سے نہیں' انسانی مساعی کے نتیجے میں ہی ہو گی۔ یہ ممکن ہے کہ اس دور مسعود کی تیاری و سازگاری میں آج کے اندھیروں سے لڑنے والوں کا نمایاں حصہ شامل ہو۔

یہ بھی ممکن ہے کہ جب ظہور مہدی ہو تو وہ لوگ جو آج ان کے انتظار میں بیٹھے ہیں انھیں پہچان نہ سکیں اور محروم رہیں جس طرح رسولؐ اللہ کی علامتیں جاننے کے باوجود یہودی و عیسائی آپ پر ایمان سے محروم رہے۔

روشن پہلو پر نظر: اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ○ (الم نشرح ۹۴:۶) کا فرمان الٰہی مایوسی میں امید کے پہلو پر نظر رکھنے کا اشارہ ہے۔ پانی سے آدھا بھرا ہوا گلاس دیکھ کر ایک آدمی کہتا ہے کہ "گلاس آدھا خالی ہے" جب کہ دوسرا کہتا ہے کہ "گلاس آدھا بھرا ہوا ہے"۔ پہلی سوچ تاریک پہلو پر نظر رکھنے والے مایوس انسان کی ہے' جب کہ دوسری سوچ روشن پہلو پر نظر رکھنے والے پُرامید ذہن کی علامت ہے۔

○ آج اگر مسلمانوں کے خلاف سازشیں اور ظلم عروج پر ہیں تو یہ بھی مسلمانوں کی بیداری اور مزاحمت کا نتیجہ ہے۔ یہ ایک روشن پہلو ہے کہ قومی معاملات سے لاتعلقی اور بے حسی کے اسی دور میں تین تین بیٹوں کی شہادت پر فخر کرنے والے مطمئن والدین بھی موجود ہیں۔

○ یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ ایمان و عقیدے کے ذریعے اللہ نے ایمان والوں کے دلوں کو آپس میں اس طرح جوڑ دیا کہ یہ کام کسی مصنوعی طریقے سے نہیں ہو سکتا تھا۔ امت مسلمہ میں اخوت و یک جہتی کا یہ احساس آج بھی زندہ ہے۔ مسلمانوں پر ہونے والے ظلم و ستم پر مسلمانان عالم میں اضطراب و بے چینی پائی جاتی ہے اور وہ اس ظلم کا خاتمہ چاہتے ہیں۔ اس کے لیے وہ جانیں بھی قربان کر رہے ہیں اور اپنا مال بھی خرچ کرتے ہیں۔

○ کوئی بھی دور سلیم الفطرت افراد سے خالی نہیں ہوتا۔ یہ خام مال کسی بے دین تحریک یا لیڈر کے

ہاتھ آ جائے تو اس کا بے لوث کارکن بن جاتا ہے اور کسی دین دار کے ہاتھ آ جائے تو احیاے اسلام کا مخلص سپاہی بن جاتا ہے۔

○ سوچیے کسی وقت آپ خود بھی تو فکری انتشار کا شکار تھے۔ پھر آپ پر راہ حق واضح ہوئی' پھر اس کے لیے سب کچھ لٹانے کا جذبہ پیدا ہوا۔ اگر آپ کی غلط فہمیاں دور ہونے اور راہ حق واضح ہونے میں ایک وقت لگا تو آپ دوسروں کو بھی یہ رعایت کیوں نہیں دیتے۔ آپ کو ہدایت مل سکتی ہے' تو کیا آپ کے بعد ہدایت کا دروازہ بند ہو گیا ہے؟

انسانی فطرت پر نظر: منفی بات چونکہ دل میں کھٹکتی ہے' اس لیے اس کا اظہار زیادہ ہوتا ہے۔ اخبارات کو بھی "خبریت" منفی باتوں میں زیادہ ملتی ہے۔ اس وجہ سے بھی معاشرے کی برائیوں کا ذکر زیادہ ہونے سے مایوسی کی لہر پیدا ہوتی ہے۔ اس کے سدباب کے لیے ضروری ہے کہ:

۱۔ منفی اور مایوسی پھیلانے والی باتوں کے غیر ضروری اظہار سے اجتناب کیا جائے۔

۲۔ کسی بھی فرد یا اجتماعیت کی خرابی کا اظہار اس کے مناسب فورم پر کیا جائے۔ کمزوریوں اور خامیوں کا عام تذکرہ عام افراد کو تحریک سے بددل کر دیتا ہے اور کارکنوں کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔ اس بارے میں حضورؐ کی اس حدیث کو پیش نظر رکھا جائے: خاطبوا الناس علی قدر عقولھم (مشکوٰۃ) لوگوں کو ان کی سمجھ بوجھ کے مطابق مخاطب کرو۔

معاشرے کی بے قدری کا شکوہ: ایک داعی مسلمان معاشرے سے قبول حق کی توقع وابستہ کر لیتا ہے لیکن جب ایسا نہیں ہوتا تو معاشرے کی بے قدری اور بے حسی کا شکوہ کرتا ہے۔ حالانکہ معاشرے کے اسی بگاڑ کی اصلاح کے لیے تو تحریک شروع کی گئی ہے۔ پھر اس بگاڑ کا شکوہ کیسا؟ وہ طبیب کیسا جو مریض سے اس کے مرض کا شکوہ کرتا رہے۔

عملی جدوجہد سے کنارہ کش افراد کا مسئلہ: یہ ایک حقیقت ہے کہ عملی جدوجہد سے الگ تھلگ رہنے والے محض نظریاتی کارکن چونکہ تحریک کی عملی ضرورتوں کا احساس نہیں رکھتے اور انھیں پورا کرنے میں شریک نہیں ہوتے' اس لیے زیادہ مایوس ہوتے ہیں' جب کہ جان و مال اور وقت کی قربانی دینے والے ہمیشہ پُرامید رہتے ہیں۔ کیونکہ جہاں انھیں خدشات کا سامنا ہوتا ہے وہاں پر بہت سے نئے امکانات کے در بھی وا ہوتے رہتے ہیں۔ اس طرح ان کی مایوسی کا ازالہ ساتھ ساتھ ہوتا رہتا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ (البقرہ ۲:۲۱۸) بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت کی اور راہ خدا میں جہاد کیا وہی لوگ ہیں جو رحمت الٰہی سے امید رکھتے ہیں۔

اختلاف مزاج کا مسئلہ: ایک ہمہ گیر تحریک میں مختلف مزاج اور صلاحیتوں کے حامل افراد کا جمع

ہونا ایک بدیہی امر ہے۔ بعض افراد تیز مزاج ہوتے ہیں تو بعض دھیمی طبیعت کے۔ کچھ درویش منش ہیں تو کچھ طمطراق کے عادی۔ کچھ کھلے سیاسی ذہن کے حامل ہوتے ہیں تو کچھ بسم اللہ کے گنبد میں بند۔ کچھ نفاست پسند اور باذوق ہیں تو کچھ اکھڑ مزاج۔ اپنے مزاج کے خلاف کارکنوں کو دیکھ کر داعی بددل ہو جاتا ہے۔ اگر وہ چند حقائق کو دل سے قبول کر لے تو مایوسی کا حملہ نہیں ہوتا۔

۱۔ دین اجتماعی تحریک کے بغیر ناممکن ہے۔

۲۔ معاشرے میں نفوذ کے لیے ہر صلاحیت اور مزاج کے حامل افراد کو تحریک میں سمونے کی ضرورت ہے۔

۳۔ اختلاف رائے انسانی فطرت کا حصہ ہے اور ہر ایک کو اپنی رائے عزیز ہوتی ہے۔

۴۔ اجتماعیت اور نظم و ضبط کو قائم رکھنا مقصد کے حصول کے لیے ضروری ہے۔

۵۔ ایک بڑے نصب العین کے لیے اختلاف رائے کو برداشت کرنا اور رواداری کا سلوک ہی مسئلے کا حل ہے۔

نمود و نمایش کا جذبہ: تحریک میں نمود و نمایش کے مناظر بھی مخلص اور اہل تقویٰ کی بے اطمینانی اور مایوسی کا سبب بنتے ہیں۔ بقول مولانا مودودیؒ ' اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ گوشوں میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنے والوں کے لیے اس فتنے سے بچنا نسبتاً آسان ہے مگر جو لوگ پبلک میں آکر اصلاح' خدمت اور تعمیر کا کام کریں انھیں بہرحال بہت سے وہ کام کرنے ہوتے ہیں جو منظرعام پر آتے ہیں۔ اپنی مدافعت میں' بادل نخواستہ ہی سہی' انھیں مجبوراً اپنے اچھے پہلوؤں کو نمایاں کرنا پڑتا ہے۔ ان حالات میں یہ کوئی آسان کام نہیں ہے کہ شہرت ہو' مگر شہرت کی چاٹ نہ لگے (تحریک اسلامی' کامیابی کی شرائط)۔

تنظیمی و اخلاقی معیار کی بحث: تحریک کی وسعت کے ساتھ تنظیمی و اخلاقی معیار کی گراوٹ بھی مایوسی کا جواز بن جاتی ہے۔ اس کے ازالے کے لیے دو حقیقتوں کا ادراک ضروری ہے:

۱۔ کسی بھی اصلاحی تحریک کے ابتدائی داعیوں کو اپنے نظریہ کے برحق ہونے اور اس کی کامیابی کا جو یقین حاصل ہوتا ہے' بعد والوں کو اس درجے کا یقین حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر وہ اس قابل ہوتے تو پیروکار بننے کے بجائے اولین صف میں ہوتے۔ ان کا پیروکار ہونا ہی اس بات کی علامت ہے کہ وہ ہمت' صلاحیت اور یقین و خلوص میں سابقون سے کم تر ہیں۔ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ (الواقعہ ۵۶: ۱۰-۱۱) اور آگے والے تو پھر آگے والے ہی ہیں۔ وہی تو مقرب لوگ ہیں--- آغاز تحریک میں سبقت کرنے والے اکثریت میں ہوتے ہیں۔ تحریک کی وسعت کے ساتھ ساتھ سابقون کا تناسب کم ہوتا چلا جاتا ہے۔ البتہ بعد میں آنے والوں کی درمیانہ درجے کی اکثریت میں ایک قلیل تعداد ایسی ضرور ہوتی ہے

جو اپنی ذاتی خوبیوں اور اجتماعی تربیتی عمل کے نتیجے میں سابقون کے ہم پلہ ہوتی ہے۔ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ○ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ○ (الواقعہ ۵۶: ۱۳۔ ۱۴) اگلوں میں سے بہت ہوں گے اور پچھلوں میں سے کم۔

سابقون کے بعد ان کے پیروکار "اصحاب الیمین" درمیانے درجے کی صلاحیت و قربانی کا مظاہرہ کرتے ہیں جن کی تعداد ان کے آغاز میں بھی کثیر ہوتی ہے' اور دوسرے ادوار میں بھی کثیر ہو سکتی ہے۔ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ○ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ○ (الواقعہ ۵۶: ۳۹۔ ۴۰) [دائیں بازو والے] اگلوں میں سے بھی بہت ہوں گے اور پچھلوں میں سے بھی بہت--- کیونکہ ایک داعی جو پہلے چند افراد پر توجہ دیتا تھا' اب اس کی توجہ کا مرکز بہت سے افراد اور بہت سے کام بن جاتے ہیں۔ محترم خرم مراد کے بقول:

> تحریک جیسے جیسے پھیلتی ہے اور اس کے وابستگان کی تعداد بڑھتی ہے تو اس میں ہر قسم کے لوگ آتے ہیں اور ان کا آنا بھی ضروری ہے' ورنہ تحریک پھیل نہیں سکتی۔ اس کے نتیجے میں اگرچہ معیاری افراد کی کل تعداد میں تو اضافہ ہو جاتا ہے لیکن پہلے جیسے سرگرم افراد کا تناسب کم ہوتا چلا جاتا ہے۔ مثلاً پہلے اگر دس میں سے پانچ افراد فعالیت اور کارکردگی کے معیار بلند پر فائز تھے' تو اب شاید ہزار میں سے دو سو افراد اس مقام پر ہوں۔ اس طرح یہ تاثر پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے کہ اب وہ پہلے والی بات نہیں رہی (افکار و مسائل' ص ۳۸)۔

دوسری حقیقت یہ ہے کہ معیار اتنا گرتا نہیں جتنا تاثر بن جاتا ہے۔ اس حقیقت کے تسلیم کر لینے سے ہی مایوسی ختم ہو سکتی ہے کہ کوئی انسانی جماعت کمزوریوں سے خالی نہیں ہوتی۔ نہ کوئی انسانی کام نقائص سے پاک ہوتا ہے۔

مولانا مودودیؒ نے ایک اصولی جماعت کے لیے صالحیت و صلاحیت کے دو معیار تجویز فرمائے ہیں--- ایک معیار مطلوب' یعنی وہ انتہائی بلند معیار جس تک پہنچنے کی مسلسل جدوجہد جاری رہنی چاہیے۔ دوسرا کم سے کم قابل عمل ہونے کا معیار جس کو لے کر کام چلایا جا سکتا ہو اور جس سے نیچے گر جانا قابل برداشت نہ ہو (تحریک اور کارکن' ص ۲۴۲)۔

اگر تحریکی جدوجہد اور دعوت کے عمل میں' انتہائی بلند معیار مطلوبہ ہدف کے طور پر ہمیشہ نگاہوں کے سامنے رہے اور کم سے کم قابل عمل معیار سے نیچے گرنا کسی صورت گوارا نہ کیا جائے' نیز اصولی اور فکری معیار کے ساتھ ساتھ عملی تقاضوں کو بھی پیش نظر رکھا جائے تو معیار گر جانے کی بحث میں الجھے بغیر فطری بنیادوں پر کام کو آگے بھی بڑھایا جا سکتا ہے' اور مایوسی سے بھی بچا جا سکتا ہے۔ اگر ہم افراد تک دعوت پہنچانے کی اپنی ذمہ داریاں پوری کر دیں تو معاشرے کو بدلتے دیر نہیں لگے گی۔ ان شاء اللہ!

مسلمانوں کا ذوق کتاب داری

پروفیسر سید محمد سلیم ○

طبعی لحاظ سے عرب ایک بے آب و گیاہ ریگستان تھا۔ علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کے لحاظ سے بھی بنجر تھا۔ مگر اسلام کے آنے کے بعد عرب میں علوم و فنون کی فصل بہار لہلہا اٹھی۔ علوم کی ایجاد و اختراع میں عربوں نے کسی ہمسایہ قوم کے سامنے زانوے تلمذ تہ نہیں کیا۔ تمام علوم ان کے طبع زاد ہیں اور خداداد ہیں۔

قرآن مجید کی پہلی وحی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی وہ یہ ہے: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ (علق ۹۶:۱) پڑھو (اے نبیؐ) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا--- اس کے بعد جو وحی نازل ہوئی وہ یہ ہے: نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ (القلم ۶۸:۱) ن۔ قسم ہے قلم کی اور اس چیز کی جسے لکھنے والے لکھ رہے ہیں۔

مسلمانوں میں پڑھنے لکھنے کی تحریک قرآن مجید کی ان آیات مبارکہ سے ہوئی ہے۔ ان آیات کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر واقع حضرت ارقم بن ابی ارقمؓ صحابی کے گھر میں ایک مخفی مدرسہ جاری فرما دیا تھا۔ یہاں نو مسلم صحابہ آتے تھے اور قرآن مجید کی نازل شدہ آیات یاد کرتے تھے۔ یہ اسلام کا پہلا مدرسہ تھا۔

مدینہ ہجرت کرنے کے بعد آزاد فضا میسر آگئی۔ وہاں سب سے پہلے ایک مسجد تعمیر کی۔ اس کے ساتھ ایک صفہ (چبوترا) بھی تعمیر کرایا۔ یہ تھا اسلام کا پہلا باقاعدہ مدرسہ۔ اس طرح مسجد کے ساتھ مدرسہ کا تعلق روایت بن گیا۔ اس کے بعد جہاں جہاں مسلمانوں کے قدم پہنچے اور مساجد تعمیر ہوئیں وہاں مدارس بھی قائم ہو گئے۔ مثلاً بصرہ ۱۴ھ، کوفہ ۱۷ھ، بیت المقدس ۱۷ھ وغیرہ۔

کتب نویسی کی تحریک کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے اس فرمان سے فروغ حاصل ہوا ہے جس میں انھوں نے احادیث رسولؐ جمع کرنے کا حکم دیا تھا۔ صحابہؓ اور تابعینؒ نے بڑی محنت و مشقت سے احادیث

○ سابق ڈائریکٹر، ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور

جمع کیں۔ پھر ان کی تدوین' ترتیب اور تحقیق میں مدتیں بلکہ صدیاں صرف کر دیں۔ زوال بغداد تک مسلمانوں کی نظر میں اعلیٰ اور اشرف علم' علم حدیث تھا۔ مسلمانوں کا یہ بڑا قابل فخر کارنامہ ہے۔

کتب نویسی کو صنعت کاغذ سازی سے غیر معمولی تقویت پہنچی۔ یہ صنعت مسلمانوں نے اموی دور میں چینی قیدیوں سے حاصل کی۔ پھر مسلمانوں نے اس صنعت کو فروغ دیا اور ساری دنیا میں پھیلا دیا۔ اس کے بعد کتب خانوں کا وجود میں آجانا ایک لازمی امر تھا۔ بنی امیہ کی حکومت کے دور میں بڑے بڑے کتب خانے قائم ہو گئے تھے۔ علامہ شبلی نے لکھا ہے سب سے پہلا کتب خانہ معاویہ بن یزید (۶۴ھ) نے قائم کیا تھا۔ معمر نے بیان کیا ہے کہ خلیفہ ولید ثانی کے عہد میں امام زہری کی کتابیں اونٹوں پر لاد کر لائی گئی تھیں۔ بغداد' دمشق' قاہرہ اور قرطبہ اہل علم کے مراکز تھے۔ بیت الحکمت اور خزانۃ الکتب کے نام سے کتب خانے قائم ہو رہے تھے۔

مساجد میں علما درس دیتے تھے۔ طلبہ ذوق و شوق سے ایک شہر سے دوسرے شہر میں اور ایک استاد سے دوسرے استاد کے درس میں شرکت کرنے کے لیے سفر کرتے رہتے تھے۔ درس و تدریس کے علاوہ علما' تصنیف و تالیف میں مشغول رہتے تھے۔ بلاد اسلامیہ کے دیار و امصار میں علمی سرگرمیاں جاری رہتی تھیں۔

کُتّاب اور خطاط تحسین خط میں مشغول رہتے تھے۔ عباسیوں کے مشہور خطاط ابن مقلہ نے شاہی فرمان قیصر روم کو لکھ کر بھیجا تھا۔ فرمان کی رعنائی اور حسن سے قیصر اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے اس فرمان کو اپنے خزانے میں محفوظ کر لیا اور خاص موقعوں پر اس کا مظاہرہ کرتا تھا (ابوحیان توحیدی' علم الکتاب' ص ۱۵' ۱۲۱ھ' ترجمہ لاہور ۱۹۶۶ء)۔

تزئین و آرایش کتب کا فن مسلمانوں میں بہت ترقی کر گیا تھا۔ روشنائی' جدولیں' نقش و نگار' سونے کے پانی سے تیار کیے جاتے تھے۔ ایسی کتابوں کو مطلّا اور مذہّب کہتے تھے۔ اندلس میں مسلمانوں کی تباہی کے موقع پر صلیبی مسیحیوں نے کتب خانے نذر آتش کیے تو وہاں سونا پگھل رہا تھا۔ اسی طرح بغداد کی تباہی کے موقع پر تاتاریوں نے جب کتب خانے نذر آتش کیے تھے تو اس وقت بھی سونا پگھل رہا تھا۔ بغداد کا واقعہ مورخ کبیر حافظ ابن کثیر نے بیان کیا ہے۔

علوم و فنون کی یہ ساری سرگرمیاں' نقش و نگار کی یہ ساری روایتیں تقریباً سارے عالم اسلام میں فروغ پا رہی تھیں۔ رشک اور رقابت میں ایک علاقے کے علما' دوسرے علاقے کے اہل علم سے مقابلہ کرتے تھے۔ جاحظ نے ایک کتاب لکھی فضل السود علی البیض (کالوں کی فضیلت گوروں پر) جس میں بعض سندھی علما کے کارنامے بیان کیے ہیں۔ ابن حزم اندلسی نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس میں مغاربہ (اندلس اور مراکش) کی علمی سرگرمیوں کا مقابلہ مشارقہ (خراسان' ایران' عراق) کے

علما کی سرگرمیوں سے کیا ہے۔

برعظیم پاک و ہند دولت غزنویہ کے عہد میں عالم اسلام کا جزو بنا۔ بہ تدریج یہاں علمی روایات--- مدارس' مساجد' خانقاہیں--- درس و تدریس' تصنیف و تالیف کی بساط جم گئی۔ اسی طرح اس سے قبل خراسان میں یہ روایات قائم ہو چکی تھیں۔ یہاں بھی علم کی اور علما کی قدردانی ہونے لگی۔ اس طرح برعظیم کا خطہ خراسان' ماوراالنہر کے ہم پلہ ہو گیا۔ البتہ یہاں کوئی ابن حزم اندلسی جیسا اہل قلم پیدا نہیں ہوا جو اس خطے کے علما کے محاسن اور کارنامے بیان کرتا اور دوسرے خطوں کے علما سے مقابلہ کرتا۔

دولت غزنویہ کا بانی سلطان محمود غزنوی علم دوست سلطان تھا۔ فقہ حنفی میں اس کی ایک تصنیف ہے۔ اس کے دربار سے چار سو علما و فضلا اور شعرا وابستہ تھے۔ اس کے دربار میں ایک وسیع کتب خانہ تھا (مورخ فرشتہ)۔ پاکستان کے بلوچ اور پٹھان قبائل کو اس نے مسلمان بنایا اور ان میں علم کی اشاعت کی۔ انگریزوں نے سیاسی مصلحتوں کی خاطر اس کو غلط رنگ میں پیش کیا۔ قنوج کی فتح پر راجا رام آریہ نے اس کی شان میں ایک قصیدہ لکھا تھا۔ محمود نے خوش ہو کر ہاتھی انعام میں دیا تھا۔

عربی خط کی ترقی کی عجیب صورت رہی ہے۔ جب کہیں نئی سلطنت یا نئی بادشاہت قائم ہوئی' وہاں کاتبوں اور اہل کاروں نے ایک نیا خط --- جدید طرز نگارش --- رائج کر دیا۔ اس بادشاہت کے دور میں اس خط نے خوب ترقی کی اور خوب مقبول ہوا۔ ہلاکو خان کے برخلاف ایل خانیوں نے بغداد چھوڑ کر تبریز کو دارالخلافہ قرار دیا تو اہل کار اور خطاط وہاں جمع ہو گئے۔ انھوں نے ایک نیا خط "خط تعلیق" ایجاد کیا۔ عثمانیوں نے بروصہ چھوڑ کر قسطنطنیہ کو دارالخلافہ بنایا تو وہاں "خط دیوان" وجود میں آیا۔ تیموریوں نے جب ہرات (افغانستان) کو دارالحکومت قرار دیا تو وہاں "خط نستعلیق" وجود میں آیا۔ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ یہ خط' بہار' شمالی ہندستان میں جاری ہوا ہے۔ مغل سلطنت قائم ہو جانے کے بعد یہ خط متروک ہو گیا اور مغل خط نستعلیق جاری ہو گیا حتیٰ کہ عمومی خط بن گیا۔ آج اردو اور فارسی نستعلیق خط میں لکھی جاتی ہیں۔

یوں تو ہر مسجد اور خانقاہ میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہتا تھا مگر علوم و فنون کی تدریس کے لیے جداگانہ مدارس بھی قائم کیے جاتے تھے۔ بعض مدارس نے بڑی شہرت حاصل کی تھی۔ مثلاً نظامیہ' بغدادیہ' مستنصریہ۔ لیکن ایران کا سب سے بڑا مدرسہ (campus) ربع رشیدی تھا جو تبریز میں تھا۔ اس کو ایل خانیوں کے وزیر رشید الدین فضل اللہ نے قائم کیا تھا۔ مدرسہ کیا تھا اہل علم کے لیے ایک جداگانہ بستی تھی۔ یہ سیکڑوں ایکڑ پر محیط تھی جس میں ہزاروں سقے پانی بھرتے رہتے تھے' لکڑہارے لکڑیاں ڈھوتے رہتے تھے اور دوسرے خدمت گار مختلف خدمات انجام دیتے رہتے تھے۔ یہاں علما' قرا اور حفاظ سیکڑوں کی تعداد میں رہتے تھے۔

اس طرح کا ایک مدرسہ پرانی دہلی میں شہر کے باہر فیروز شاہ تغلق (۷۹۰ھ، ۱۳۸۸ء) نے بنایا تھا جس کے کھنڈرات آج بھی پرانی دہلی میں موجود ہیں۔

مشہور مؤرخ ضیاء الدین برنی نے اس کی کچھ تفصیل دی ہے: یہ مدرسہ ایک نہر کے کنارے تھا۔ مدرسہ ۷۰ ایکڑ پر محیط تھا۔ مدرسے کی عمارت دو منزلہ تھی۔ عمارت کے اوپر ایک گنبد تھا جس کے چاروں طرف رنگ برنگ شیشے لگے ہوئے تھے۔ ایک وسیع مسجد تھی۔ اساتذہ کی رہایش کے کمرے جداگانہ تھے۔ درس گاہ میں شیرازی قالین بچھے ہوئے تھے۔ مدرسے میں اساتذہ اور طلبہ کو مفت کھانا ملتا تھا۔ اساتذہ کو کھانے کے بعد چاندی کے اوراق میں لپٹے ہوئے پان کے بیڑے ملتے تھے۔ اساتذہ سر پر مصری دستار اور جسم پر شامی جبہ پہنے رہتے تھے۔ بادشاہ نے اس مدرسے کے لیے ایک بہت بڑا وقف قائم کر رکھا تھا۔

یہ علما ہر چیز سے بے نیاز ہو کر درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے۔ ان کے انہماک اور مشغولیت کا اندازہ ایک واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔ ۶۵۸ھ میں ہلاکو خان کے ہاتھوں بغداد کے سر سے ایک قیامت گزر گئی۔ ہر جگہ قتل و غارت گری اور آتش زنی کا بازار گرم تھا۔ ایک ہفتہ کے بعد جب تباہی کا یہ بازار ٹھنڈا پڑا تو ہلاکو خان اس اجڑے شہر کے گشت کے لیے نکلا۔ وہ مدرسہ مستنصریہ کی طرف جا نکلا۔ اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ مدرسے میں حسب سابق درس و تدریس کی بساط جمی ہوئی ہے۔ علما بڑی یکسوئی سے طلبہ کو پڑھا رہے ہیں۔ جیسے کہ شہر میں کچھ ہوا ہی نہیں ہے (الفخری، طباطبائی)۔

اس سے ملتا جلتا انہماک کا واقعہ میاں جی نذیر حسین کا بیان کیا گیا ہے جو جنگ آزادی (۱۸۵۷ء) میں پیش آیا۔ انگریزی فوجیں شہر پر گولہ باری کر رہی تھیں۔ گولے مسجد کے صحن میں آ کر گر رہے تھے۔ اس مسجد میں میاں جی بڑی مستقل مزاجی سے حدیث کا درس دے رہے تھے۔ ساتھ ہی فرماتے جاتے تھے: "جس کی آئی ہے وہ مرے گا" (محمد اشرف سندھو)۔

درس و تدریس کے ساتھ یہ علما تصنیف و تالیف میں بھی وقت صرف کرتے تھے۔ بعض علما تو مستقل طور پر لکھنے کے لیے وقف رہے تھے۔ معجم البلدان کے مصنف یاقوت نے ابوریحان البیرونی (۱۰۵۱ء) کے متعلق لکھا ہے: البیرونی علم حاصل کرنے میں دن رات مشغول رہتا تھا۔ قلم کو ہاتھ سے اور آنکھ کو کتاب سے کبھی جدا نہیں کرتا تھا۔ سال میں دو دن ایسے تھے کہ وہ فارغ ہوتا تھا۔ وہ نوروز اور مہرجان کے دن تھے۔ یہ ایرانی تہوار تھے۔ ان دنوں میں اس کے دوست احباب ملنے کے لیے آتے تھے۔ وہ ان کے لیے کھانا پکا کر رکھتا تھا۔ اس نے شادی نہیں کی تھی۔

ہمارے یہاں بھی ایک ہمہ وقت تصنیف بزرگ مولانا وحید الدین حیدر آبادی تھے، صاحب وحید اللغات (۱۸۷۰ء)۔ وہ لکھتے ہیں: میری عمر اب ۷۰ کے قریب ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم

سے آنکھ اور ہاتھ کی قوت مثل ایام جوانی کے ہے اور ابھی تک کئی میل پیدل چل لیتا ہوں۔ سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ چھ بجے صبح سے شام پانچ بجے تک برابر لکھتا رہتا ہوں اور وہ بھی روزانہ۔ یہاں تک کہ یوم العید کو بھی ناغہ نہیں کرتا۔ بڑے بڑے قوی اور مضبوط جوان چھ گھنٹے کی کتابت کرنے کے بعد بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ میں ۱۱ گھنٹے برابر لکھتا رہتا ہوں۔ ذٰلِکَ فضل اللّٰہ یو تیہ من یشاء۔ باوجود اس کے کہ غذا میری دو پیسہ بھر چاول اور ایک پیسہ بھر آٹا اور سادہ شوربا اور کسی قدر دودھ آدھ پاؤ سے زیادہ نہیں۔

ایسے ہی کثیر التصانیف بزرگ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی تھے۔ وہ دولت و امارت کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا مشغلہ جاری رکھے ہوئے تھے۔ شادی' بیاہ میں امرا کے یہاں شرکت کرنے کے لیے ان کو جانا پڑتا تھا۔ وہاں دیر ہو جاتی تھی۔ نواب صاحب وقت کی قدر کرنے کے لیے ایک گوشے میں بیٹھ جاتے تھے۔ قلم دان ان کا ہمیشہ ان کے ساتھ رہتا تھا۔ قلم دان کھول کر لکھنا شروع کر دیتے تھے۔ ان کی تصنیف کردہ کتابوں کی تعداد کئی سو ہے۔ عربی' فارسی' اردو' تینوں زبانوں میں ان کی کتابیں ہیں۔

یہ علما انتہائی ناسازگار حالات میں تصنیف کا سلسلہ جاری رکھتے تھے۔ مشہور عالم دین شمس الائمہ امام سرخسی سے وقت کا بادشاہ ایک فتویٰ کی بنا پر ناراض ہو گیا اور اس نے بطور سزا ان کو ایک اندھے کنویں میں ڈال دیا اور قید کر دیا۔ امام کے علم کے فیض کا سرچشمہ وہاں سے بھی جاری ہو گیا۔ طلبہ اوزجند کے کنویں کی منڈیر پر جمع ہو جاتے تھے۔ امام سرخسی کنویں کے اندر سے املا کراتے تھے اور طلبہ اس کو لکھ لیتے تھے۔ اوزجند کا علاقہ سخت سرد ہے۔ طلبہ روشنائی کو پیٹ سے چمٹائے رکھتے تھے تاکہ روشنائی جمنے نہ پائے۔

فقہ حنفی میں بین الاقوامی قانون کی مشہور کتاب المبسوط اس حالت میں تصنیف ہوئی ہے۔

ہمارے ملک میں مفتی عنایت احمد کاکوروی بھی ایک ایسے ہی بزرگ ہیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے موقع پر انگریزی حکومت نے سخت انتقام لیا تھا۔ اہل علم کی کثیر تعداد کو کالے پانی کی سزا دی تھی یعنی' جزیرہ انڈمان میں محبوس کر دیا تھا۔ اس حالت میں ایک قیدی شخص نے مفتی عنایت احمد سے عربی زبان سیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ مفتی صاحب نے پہلے حافظہ سے تدریس کے لیے ایک کتاب علم الصیغہ لکھی جو آج بھی عربی مدارس کے نصاب میں شامل ہے۔

وہاں امیر احمد خاں ڈاکٹر تھے۔ انھوں نے مفتی صاحب سے سیرت الرسولؐ پر کتاب لکھنے کی فرمائش کی۔ اس کے پاس خاطر سے مفتی صاحب نے سیرت الرسولؐ پر تواریخ حبیب الٰہ کتاب لکھ دی۔ سیرت رسولؐ پر اردو کی یہ پہلی کتاب ہے۔ تواریخ حبیب الٰہ اس کا تاریخی نام ہے (۱۲۷۵ھ / ۱۸۵۷ء)۔

بعض حکمران علم کے بڑے قدر دان ہوتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ مشہور مصنف کی کتاب بادشاہ کے

نام معنون کر دی جائے۔ اس کی خاطر وہ بے دریغ رقم صرف کر دیتے تھے۔ ابو الفرج اصفہانی اموی عربی زبان و ادب کا بہت بڑا امام تھا۔ اس نے اس موضوع پر کتاب کتاب الاغانی لکھی تھی۔ قرطبہ (اندلس) کے خلیفہ الحکم ثانی (۳۶۶ھ) کو اس کا علم ہوا۔ اس نے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ اس کتاب کا پہلا نسخہ میرے پاس ہونا چاہیے۔ اس کے لیے اس نے ایک ہزار دینار سرخ صرف کر ڈالے اور یہ نسخہ حاصل کر لیا۔

ہمارے ملک میں سلطان محمد شاہ تغلق (۷۵۳ھ) بڑا فاضل علم دوست حکمران تھا۔ اس کو معلوم ہوا کہ ایران میں مشہور عالم قاضی عضدالدین ایجی مواقف کی شرح لکھ رہے ہیں۔ اس کو حاصل کرنے کے لیے مولانا عمرانی معین الدین دہلوی کو ایران بھیجا کہ مصنف کتاب میرے نام منسوب کریں اور خود دہلی میں آجائیں۔ تحفہ تحائف لے کر سلطان کی سفارت روانہ ہوئی۔ شیراز کے بادشاہ ابواسحاق کو ہندی سفارت کا علم ہوا تو اس نے قاضی عضدالدین کی منت سماجت کی کہ وہ یہاں سے ہرگز نہ جائیں۔ اس نے کہا کہ میں آپ کی ہر طرح خدمت کرنے کو تیار ہوں۔ میرا تخت حاضر ہے۔ میری منکوحہ کے علاوہ جو چاہیں لے سکتے ہیں۔ قاضی نے بادشاہ کی بات مان لی۔ ہندی سفارت ناکام واپس آگئی۔

علم و فن کی قدردانی کے ایک حیرت انگیز واقعے کا تعلق شاہ اسماعیل صفوی شاہ ایران کے ساتھ ہے۔ ترکوں اور ایرانیوں کے درمیان ایک بڑی فیصلہ کن جنگ ۹۲۰ھ میں چالداران کے نام سے لڑی گئی۔ دونوں طرف بڑی خون ریزی ہوئی۔ جب شکست کے آثار نظر آنے لگے تو شاہ اسماعیل صفوی نے حکم دیا کہ بہزاد نقاش اور محمود کاتب کو دارالسلطنت سے لے جا کر غاروں میں روپوش کر دو تاکہ جب عثمانی فوجیں شہر کو لوٹیں تو وہ ان دو نادر فن کاروں کو یہاں سے نہ لے جائیں۔

اس سے ملتا جلتا واقعہ ہمارے یہاں بھی پیش آیا۔ گجرات کی جنگ سے واپس آتے وقت بھیلوں نے ہمایوں کی فوج پر شب خوں مارا۔ لشکر میں موجود مال و متاع لوٹ کر لے گئے۔ اس میں تاریخ تیموری کا وہ نایاب نسخہ بھی تھا جس کو بہزاد نقاش نے مصور کیا تھا۔ ساری فوج نے وہیں ڈیرے ڈال دیے۔ ساری فوج اس نسخے کی تلاش پر مامور ہو گئی۔ بالآخر جب نسخہ حاصل ہو گیا تب آگے کوچ کا حکم دیا گیا (اکبرنامہ، ابوالفضل، جلد اول، ص ۱۳۶)۔

کتاب سازی اور نقش و نگار سازی کے طریقے مسلمان اپنے ساتھ لے کر ہندستان میں آئے۔ ہندوؤں کے زمانے میں تاڑ یا بھوج پتر پر کتابیں لکھی جاتی تھیں۔ پھر ان پتوں کے درمیان سے دھاگا گزار کر ان کو نتھی کرتے تھے۔ وہ جلد بنانا نہیں جانتے تھے۔ جلد سازی عالم اسلام کی روایت ہے۔ مسلمانوں نے مختلف اقسام کے کاغذ بنانے سکھائے۔ سمرقندی، کشمیری، نیرن کوٹی (سندھی)، قلمی (روئی کا ساختہ)۔

مسلمانوں نے جلد سازی کے فن کی تعلیم دی۔ جلد سازی نے ترقی کر کے ایک فن کی شکل اختیار کر لی۔ ایک جلد میں مختلف فن کار بیک وقت حصہ لیتے تھے' مثلاً کاغذ ساز' کاتب' مذہّب' جدول کش' مجلد' صحاف' زرکوب' لاجور شو وغیرہ۔

برعظیم کے شہروں میں سب سے پہلے لاہور نے تہذیبی طور پر فروغ پایا ہے۔ سلطان محمود غزنوی نے ۴۱۳ھ میں لاہور فتح کیا اور پھر اس کو دارالحکومت بنایا۔ اس کو غزنی خورد کہتے تھے۔ یہاں سلطان ابراہیم مسعود جیسا حکمران (۴۵۲۔۴۵۰ھ) گزرا ہے جو سال میں دو قرآن مجید ہاتھ سے لکھ کر حرمین شریفین روانہ کرتا تھا۔ پھر باہر کے علما اور مشائخ یہاں آنا شروع ہو گئے۔ سید اسماعیل محدث (۴۲۸ھ)' سید حسین زنجانی (۴۳۱ھ)' ابو الحسن علی ہجویری (۴۶۵ھ) ان میں نمایاں نام ہیں۔ علم و فضل کے ساتھ شعروادب کو بھی فروغ حاصل ہوا۔ ابوالفرج رونی (۴۹۲ھ) اور مسعود سعد سلمان لاہوری (۵۱۵ھ) اس دور کے مشہور شاعر تھے۔

لاہور کی یہ رونق زیادہ عرصہ قائم نہ رہ سکی۔ تاتاریوں نے ۱۲۴۱ء (۶۳۹ھ) میں حملہ کر کے اسے بری طرح تباہ و برباد کر دیا۔ مغل حکومت کے دور میں لاہور نے دوبارہ عروج حاصل کیا۔ مغلوں نے لاہور میں باغات لگائے۔ لاہور کا گورنر مرزا قلیچ بیگ تھا۔ وہ مرزا دانیال کا خسر اور اکبر بادشاہ کا سمدھی تھا۔ وہ عالم دین تھا۔ اس کا معمول تھا کہ کچہری جانے سے قبل اڑھائی گھڑی دن تک طلبہ کو گھر پر باقاعدہ درس دیتا تھا۔ اس کے پاس ایک عالی شان کتب خانہ تھا۔

مغل حکمرانوں کے دور حکومت میں فن کتاب سازی اور فن خطاطی کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ مسجد وزیر خاں کے آس پاس کاتب' صحّاف' ورّاق بیٹھے رہتے تھے۔ یہ لوگ بڑی عجلت میں کتابیں نقل کر دیتے تھے اور معمولی اجرت لیتے تھے۔ اس لحاظ سے یہ بغداد کے سوق الوراقین کے مشابہہ تھا۔ اس مسجد میں علما' فضلا' شعرا' ادبا کا مجمع لگا رہتا تھا۔ خاص طور پر جمعہ کے روز یہاں بحث مباحثہ' نقد و تبصرہ ہوتا رہتا تھا۔ اس لحاظ سے یہ مسجد' قاہرہ مصر کی جامع عمرو بن العاص کے مشابہہ تھی اور جامع منصور بغداد کی روایات کو زندہ رکھے ہوئے تھی۔ سکھ حکومت کی آمد سے قبل تک مسجد وزیر خاں میں علمی روایات برقرار تھیں۔

بانی مسجد نے ضمیمہ وقف نامہ مسجد وزیر خاں لاہور میں ان روایات کی تاکید کی تھی:

اس مسجد کا امام اور خطیب ایک ہی ہو جو بڑا خوش قرات ہو' اور نماز کے احکام کا بڑا عالم ہو۔ نیز یہ شرط ہے کہ شرقی دروازہ کے باہر دو دکانیں مع بالاخانوں کے ہوں۔ یہ دکانیں اسلامی کتب کے صحافی' جلد ساز' جملہ کتابیں بیچنے والوں کے بیٹھنے کے لیے ہوں اور وہ بے کرایہ بیٹھیں گے۔ نیز شرط یہ ہے کہ مسجد میں دینی علوم کی تعلیم کے لیے دو مدرسے ہوں گے (ماخوذ از قانون وراثت' مصنف مولانا غلام دستگیر نامی' لاہوری' ص ۲۴)۔

اعتماد کی قوت

12

افراد کے درمیان اعتماد کا رشتہ کسی بھی تنظیم یا خاندان کے لیے جان کی حیثیت رکھتا ہے۔ اعتماد بکھر جانے سے اجتماعیت بھی منتشر ہو جاتی ہے۔ قیادت کے لیے اعتماد قائم رکھنا بنیادی ضرورت ہے۔ اعتماد کو شعوری طور پر بڑھایا جا سکتا ہے اور افراد کو اعتماد قائم کرنے اور برقرار رکھنے کے بارے میں تربیت دی جاسکتی ہے۔

کچھ تدابیر درج ذیل ہیں :

١ توقعات کو حقیقت کے دائرے میں رکھیں۔

٢ عہد یا وعدہ کرتے وقت محتاط رہیں۔ کم سے کم امور پر زیادہ سے زیادہ لچک رکھتے ہوئے طے کریں۔

٣ جو طے ہو جائے اُس کو ہر قیمت پر پورا کرنے کی کوشش کریں۔

٤ اپنے رویے اور انداز کار میں ٹھہراؤ پیدا کریں تاکہ افراد اچھا گمان قائم کر سکیں' اور وہ پورا بھی ہو جائے۔

٥ غیر یقینی اور یقینی عوامل و نتائج کے بارے میں سوچیں اور امکانی حدود کے اندر بھی زیادہ و کم کی درجہ بندی کریں۔

٦ معاملہ طے پانے کے بعد' تبدیلی کی صورتوں پر بھی اتفاق کریں۔

٧ اپنے دائرہ کار کو دوسروں کی نظر میں واضح رکھیں۔

٨ اپنی زبان کا پاس کریں' وعدے کو نبھائیں--- عہد کو پورا کریں۔

٩ اعتماد کا رشتہ باہمی تعلقات کی فضا میں پروان چڑھتا ہے۔ ضروری نہیں کہ جن سے تعلق نہ رہا ہو' ان پر اعتماد نہ کیا جا سکتا ہو۔ اور جن سے تعلق ہو انھیں پر اعتماد کیا جا سکتا ہو۔

١٠ اعتماد کے رشتے کی نوعیت کو تجربے کی روشنی میں سمجھیں۔

خواتین کی طاقت: بیسویں صدی کا فریب

پروفیسر عبدالمغنی ○

اکیسویں صدی کے آغاز پر' بیسویں صدی کے آخر میں خواتین کی طاقت کا غلغلہ بلند ہو رہا ہے اور اسے سیاست وقت کا موضوع بنا کر مزید طاقت کا مطالبہ اس طرح ہو رہا ہے گویا اکیسویں صدی کا سب سے مبارک کام یہی ہے' جس کے بغیر معاشرے کی ترقی نہیں ہو سکتی۔ یہ درحقیقت پُرفریب بیسویں صدی کا سب سے بڑا فریب ہے' جس میں کچھ غلط اندیش دانش ور اور خاص کر نادان خواتین اکیسویں صدی کو اُلجھانا چاہتی ہیں۔ آخر عورت کیا واقعی مجبور ہے' کہ اس کو اختیار دیا جائے؟ کیا وہ واقعی اتنی کمزور ہے کہ اسے قوت کی اشد ضرورت ہے؟ ماں کی طاقت کیا کم ہے؟ کیا بہن کا رشتہ کوئی طاقت نہیں رکھتا؟ کیا بیوی کی طاقت خاندان یا معاشرے میں کسی سے کم ہے؟ بیٹی کی محبت والدین اور دیگر رشتہ داروں کو کس سے کم ہوتی ہے؟ ان سب سوالوں کے جواب نفی میں ہیں۔ واقعہ تو یہ ہے کہ غلط یا صحیح طور پر پوری بیسویں صدی عورت کی طاقت میں بے پناہ' بے مثال اضافے کا دور ہے' جو اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ صدیوں پیچھے لوٹ کر فرسودہ بوسیدہ قدیم یونان کے اس ناہنجار' احمقانہ فلسفے کی طرف مائل ہو گیا ہے:

"تہذیب کی حد یہ ہے کہ عورت ہو جائے اور عورت کی ترقی کی حد یہ ہے کہ طوائف بن جائے"۔

کیا زمانہ جدت اور قوت کی اسی تباہ کن پستی کی طرف لوٹنا چاہتا ہے جس میں بے چاری عورت دیوی بنتی تھی یا دیوداسی' جب کہ دونوں کا عملی مفہوم ایک ہی تھا' یعنی عورت کو گڑیا بنا کر اس سے کھیلنا' اس کا تماشا دکھانا؟ (اس جملے کا تعلق دیوی پوجا سے نہیں ہے)۔

خواتین کی یہ تذلیل عورت کو معاشرے کے فطری و پیدائشی رشتے سے کاٹ کر کی جا رہی ہے۔ عورت صرف عورت نہیں' جس طرح مرد صرف مرد نہیں۔ دونوں انسان ہیں اور ان کے خاندان میں'

○ سابق وائس چانسلر' پٹنہ یونی ورسٹی' بہار (بھارت)

جو معاشرے کی بنیادی اکائی اور اس کا ابتدائی عنصر ہے' ایک عورت کسی کی بیٹی ہے' کسی کی بہن ہے' کسی کی بیوی ہے اور سب سے بڑھ کر ماں ہے' جیسے مرد بیٹا ہے' بھائی ہے' شوہر ہے' باپ ہے۔ ان رشتوں کے بغیر نہ تو عورت کا بہ حیثیت عورت تصور کیا جا سکتا ہے نہ مرد کا بہ حیثیت مرد۔ ایسی حالت میں عورت یا مرد کے حقوق کا جنسی تصور انسان کو مرغ اور مرغی کی سطح پر لانا ہو گا۔ دونوں کے انسانی حقوق برابر ہیں' لیکن دونوں جنسیں یکساں نہیں۔ جس طرح مرد ماں' بہن' بیوی اور بیٹی کے فرائض انجام نہیں دے سکتا' ٹھیک اسی طرح عورت باپ' بھائی' شوہر اور بیٹے کے فرائض ادا نہیں کر سکتی۔ نفسیات (Psychology) اور جسمانیات (Physiology) کا پورا نظام مرد و عورت کے فطری اور خلقی اختلاف پر مشتمل ہے' ورنہ یک جنسی یا ہمہ جنسی (Unisex) کے تقاضے پیدا ہو کر آلڈس ہکسلے کے بقول "بہادر نئی دنیا" (Brave New World) کی ساری شجاعت کے کس بل نکل جائیں گے اور ایک ایسی ملی جلی جنس پیدا ہونے لگے گی جو نہ مذکر ہو گی نہ مونث' فقط "مخنث" ہو گی اور خواجہ سرائی کے سوا کوئی کارنامہ انجام نہیں دے سکے گی۔

معاشری رشتوں میں بندھے ہوئے مرد و عورت کو رشتوں کی استواری اور معاشرے کی ترقی کے لیے کس تناسب اور توازن کے مطابق طاقت چاہیے؟ کمزور کون ہے؟ طاقت کس لیے؟ عورت کو جتنا اقتدار فطرت اور روایت نے دے رکھا ہے اس سے زیادہ کتنا اور چاہیے؟ عصر حاضر میں متعدد عورتیں ایشیا اور افریقہ تک میں وزیراعظم بنی ہوئی ہیں' تو کیا کیا ہے انھوں نے اور مزید کیا کرنا چاہتی ہیں وہ' اور کیا توقع کی جا سکتی ہے ان سے؟ جب ہم ان کے لیے اقتدار محفوظ کرنا چاہتے ہیں اور مزید اختیار وہ طلب کرتی ہیں تو اس کا کوئی مقصد بھی ہونا چاہیے' گرچہ اقتدار و اختیار مرد کی ملکیت نہیں' اس میں عورت کا حصہ ہے ہی۔ پھر عورت کمزور بھی نہیں۔ اس کی اپنی ایک قوت ہے۔

عورت کی قوت' مرد سے برتر قوت' کا فلسفہ بیسویں صدی کے بالکل شروع ہی میں' سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر جارج برنارڈ شا نے پیش کیا۔ اس کا سب سے مشہور و مقبول ڈراما "بشر اور فوق البشر" (Man and Superman) اس فکر کا اظہار ہے۔ ڈرامے کی انتہا پر ہیروئن کے لبوں سے سوپر مین (Superman) ہی کی طلب کا کلمہ ادا ہوتا ہے' مگر غور کرنے کی بات ہے کہ وہ صرف سوپر مین کی ماں بننا چاہتی ہے اور اس کے لیے ایک باپ چاہتی ہے' نہ تو خود کو سوپر مین کہتی ہے نہ اپنے بطن سے کسی سوپر وومن کے تولد ہونے کی تمنا کرتی ہے' اس لیے کہ شا کو معلوم ہے کہ سوپر وومن کا تصور مہمل ہے اور اگر ہو سکتا ہے تو سوپر مین ہی' گرچہ یہ تخیل بھی ہوائی ہے' جیسا برنارڈ شا کے سب سے ضخیم حیاتیاتی ڈرامے (Back to Methuselah) کی خیالی پرواز سے معلوم ہوتا ہے۔ (اسلام میں ختم الرسلؐ کے لیے خیرالبشر کا

تصور ہے' فوق البشر کا نہیں)۔

عورت اور مرد کا فطری و دائمی فرق عورت کے لیے زیادہ اقتدار کے تحفظ کی نفی کرتا ہے۔ عورت کے حقوق بھی انسان کی حیثیت سے ہیں' نہ کہ محض عورت کی حیثیت سے۔ وہ برابر کی انسان ہے' دوسرا نصف ہے' نہ بہتر نہ بدتر' نہ قوی تر نہ ضعیف تر' وہ بس ایک شہری ہے۔ شہریت کے سارے اختیارات کے ساتھ' جنھیں عدالتی و قانونی تحفظ حاصل ہے' جب کہ مزید تحفظ ایک ایسی نابرابری اور جنسوں کے درمیان بے جا امتیاز پیدا کر سکتا ہے جس پر عدالت میں مقدمہ دائر کیا جا سکتا ہے۔ صنفی برابری کو بہرحال حد سے بڑھ کر نابرابری تک اس شان سے نہیں پہنچنا چاہیے کہ عورت کے اقتدار میں گنتی کا اضافہ تو محفوظ ہو جائے اور مرد کا بچا کھچا اختیار غیر محفوظ رہے۔ اس طرح کی نامنصفانہ اختیار دہی اور اس کا تحفظ مرد و عورت' شوہر اور بیوی' بیٹا اور بیٹی' بھائی اور بہن کے خاندانی اور معاشرتی رشتوں کی ناہمواری اور خرابی کا باعث ہو سکتا ہے۔ یہ سیاست و حکومت کے عہدوں پر عورت کی دلالی کے لیے محاورے میں "جورو کے غلام" پیدا کر سکتا ہے۔ ماں' باپ' بیوی اور شوہر کے خاندانی رشتوں پر اس سے ایسی کاری چوٹ لگ سکتی ہے کہ بچوں اور بچیوں کی پرورش اور ان کی نفسیات میں فطری کردار کی تحریف (subversion of natural role) کے سبب بے شمار الجھنیں اور تخریبات (complexes and perversions) نمایاں ہو سکتی ہیں۔ اقبال نے ایک صدی قبل ہی یورپ کے رنگ ڈھنگ دیکھ کر کہہ دیا تھا:

کیا یہی ہے معاشرت کا کمال؟
مرد بے کار و زن تہی آغوش!

تحفظ کی ضرورت آج کے علوم و فنون اور تہذیب و ثقافت کی جنم دی ہوئی آلودگیوں کو دیکھتے ہوئے مرد و عورت دونوں کو ہے' تاکہ عورت کی خطرے میں پڑی اور تیزی سے مٹتی ہوئی نسوانیت باقی رہے اور مرد کی مردانگی' ورنہ نام نہاد کھلے معاشرے (open society) میں مرد و عورت کا بے روک آزادانہ اختلاط تعلیم و معیشت و معاشرت کے ہر دائرے میں' بقول اکبر الٰہ آبادی' زن کو نازن اور مرد کو نامرد بنا سکتا ہے بلکہ بنا رہا ہے۔ اقبال نے کہا تھا:

یہ ڈراما دکھائے گا کیا سین؟
پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

پردہ تقریباً اٹھ گیا ہے۔ مغربی تہذیب کے ڈرامے کا سین ہمارے سامنے ہے۔ نئے کلچر کے نام پر وحشت کی ہوائیں چل رہی ہیں' گھروں کے خیمے اکھڑ رہے ہیں' بازار کی رونق بڑھ رہی ہے' پارک آباد ہو رہے ہیں' ہوٹل گھر بن رہے ہیں۔ اکبر کی پیش گوئی صحیح ثابت ہو رہی ہے۔ اپ ٹو ڈیٹ اور موڈرن شرفا

کی عمریں، بالخصوص ترقی یافتہ ممالک میں، ہوٹلوں میں کٹ رہی ہیں اور وہ مرتے ہیں ہسپتال کے بستروں پر۔ دریاؤں کے کنارے صحت افزا جھونپڑوں میں اور ریت کے بستروں پر بحرمحبت موجیں مار رہا ہے اور ساحلوں سے انسانیت کے بکھرے اور بچے ہوئے خس و خاشاک بہائے لیے جا رہا ہے۔ یہ صرف آزادی نسواں (Women's Lib) کا کرشمہ ہے۔ اب Women's Empowerment کا ہائیڈروجن بم جو پھٹے گا تو انسانیت کے ذرات فضاؤں میں اڑیں گے، جب کہ مغربی تہذیب کے تنکے مشرق کے سمعی و بصری ذرائع (audio-visual media) پر ٹیلی وژن اور بھیانک وی سی آر کے ہاتھوں گھر گھر میں اڑ رہے ہیں اور گویا پورا گھر خواب گاہ (bed-room) بنا ہوا ہے۔

بقول اقبال مرد کی رگوں میں خون سرد ہو چکا اور غیرت کی حرارت باقی نہیں رہی ہے، ورنہ:

نسوانیت زن کا نگہباں ہے فقط مرد

اب مرد ہی نہیں، فقط ہیرو بن کر رہ گیا ہے؟ Empowerment وہ تصور ہے جس سے بنک میں کاغذ کے سکے مل جائیں گے اور عزت و ناموس اور خاندان و معاشرت نیز تہذیب و ثقافت اور عفت و عصمت یا سیرت و کردار کا بدل بنیں گے۔ قرآن کی یہ آیت بہت ہی فکرانگیز ہے:

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ وَبَنٰتِکَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ ط ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ ط (الاحزاب ۳۳:۵۹) اے نبیؐ، اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکالیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور نہ ستائی جائیں۔

پروفیسر عبدالحمید صدیقی مرحوم: چند یادیں

ڈاکٹر محمود احمد غازی ○

پروفیسر عبدالحمید صدیقی (وفات: ۱۸ اپریل ۱۹۷۸ء) اپنے علم و فضل' زہد و استغنا اور اخلاص و تقویٰ میں بلاشبہ سلف صالحین کا ایک نمونہ تھے۔ میں نے ان کا نام تو اپنی طالب علمی کے دور ہی سے سننا شروع کر دیا تھا لیکن ان کی تحریروں سے باقاعدہ استفادے کی نوبت ۱۹۶۸ء سے آئی۔ اس وقت سے میں نے باقاعدگی سے ان کی تحریروں کا مطالعہ شروع کیا' جو اب بھی وقفے وقفے سے جاری رہتا ہے۔ اول اول ان کی جن تحریروں نے مجھے بہت زیادہ متاثر کیا وہ ماہنامہ ترجمان القرآن میں ان کے "اشارات" ہوتے تھے۔ انھوں نے جب سے ماہنامہ ترجمان القرآن کی ادارت کی ذمہ داری سنبھالی تھی اس وقت سے انھوں نے "اشارات" کے عنوان سے چھپنے والے ادارتی صفحات کی ذمہ داری بھی سنبھال لی تھی۔ یہ ایک اہم علمی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ ایک بڑا اعزاز بھی تھا۔

"اشارات" میں وہ ملک و ملت کو درپیش ملی' اجتماعی اور دینی مسائل پر گہرے اور عمیق فلسفیانہ انداز میں تبصرہ کرتے' دور جدید کی پیدا کردہ گمراہیوں' فکری غلطیوں اور دوسری اجتماعی کمزوریوں پر تنقیدی نظر ڈالتے اور ایک متوازن لیکن دینی حمیت سے بھرپور اسلامی حل بھی تجویز کرتے۔ "اشارات" کے عنوان سے سال ہا سال انھوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ مذہبی فکر' تقابل ادیان' مسلم سیاسی فکر' اجتماعیات اور عمومی طور پر معارف اسلامیہ کے وقیع مباحث پر مشتمل ہے۔ یہ ادارتی صفحات پروفیسر عبدالحمید صدیقی مرحوم کے انتہائی گہرے مطالعے اور طویل و عمیق غور و فکر کے ترجمان ہوتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کے قلم نے دینی رسائل کے معیار کو اتنا بلند کر دیا کہ اب بعد میں آنے والوں کے لیے اس بلند معیار کو برقرار رکھنا ایک بہت بڑا چیلنج ہے۔ انھوں نے "اشارات" کے عنوان سے جو کچھ لکھا وہ برعظیم کی اسلامی فکر کی ایک نہایت

○ نائب صدر' بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی' اسلام آباد و ممبر نیشنل سیکورٹی کونسل

مؤثر اور متوازن ترجمانی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ترجمان القرآن کے صفحات پر چھپنے والے ان "اشارات حمیدیہ" کو مختلف عنوانات کے تحت الگ الگ جلدوں میں مرتب کیا جائے اور اس طرح علم و فکر کے اس بے بہا ذخیرے کو آنے والوں کے لیے دستیاب کر دیا جائے۔

پروفیسر عبدالحمید صدیقیؒ اصلاً معاشیات کے استاد تھے اور ایک طویل عرصہ گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ کی سطح پر معاشیات کی تعلیم دیتے رہے۔ معاشیات میں تخصص پیدا کرنے سے قبل وہ انگریزی کے استاد تھے اور ایک عرصہ پنجاب کے مختلف تعلیمی اداروں میں انگریزی پڑھاتے رہے تھے۔ بعد میں انھوں نے معاشیات میں ڈگری حاصل کی اور حکومت مغربی پاکستان کے محکمہ تعلیم سے وابستہ ہو گئے۔ تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ وہ تبلیغ دین اور دعوت و ارشاد کے میدان میں بھی سرگرم رہے۔ وہ نوجوانی ہی سے جماعت اسلامی اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی فکر سے بڑے متاثر تھے۔ چنانچہ جماعت کی رکنیت کے تمام روایتی اور بھاری تقاضوں کو انتہائی جذبے اور خلوص سے انجام دیتے تھے۔ ایک مرحلہ ایسا آیا کہ ان کے لیے سرکاری ملازمت اور جماعت سے وابستگی کو ایک ساتھ نبھانا مشکل ہو گیا۔ پروفیسر عبدالحمید صدیقیؒ نے ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر جماعت سے وابستگی کو ترجیح دی اور سرکاری ملازمت پر لات مار دی۔

معاشیات کے استاد سے کہیں زیادہ ان کی شہرت ایک مفسر قرآن' شارح حدیث' مفکر اسلام اور صاحب طرز ادیب اور مصنف کے طور پر رہی۔ انھوں نے مختلف علمی موضوعات پر باقاعدہ تصنیفات کی ایک تعداد یادگار چھوڑی۔ سیرت کے موضوع سے بھی ان کو خاص دل چسپی رہی۔ چنانچہ انگریزی زبان میں انھوں نے سیرت پر بھی ایک کتاب تصنیف کی جو وسیع پیمانے پر مقبول ہوئی۔ سیرت اور علوم سیرت کے حوالے سے ان کی ایک اور فاضلانہ کتاب Prophethood in Islam (اسلام میں نبوت) کے موضوع پر ہے۔ انگریزی زبان میں یہ اپنی نوعیت کی شاید واحد کتاب ہے جس میں نبوت اور ختم نبوتؐ کے اہم موضوعات پر بڑی فاضلانہ اور فلسفیانہ گفتگو کی گئی ہے۔

پروفیسر عبدالحمید صدیقی مرحوم کا شاید سب سے اہم اور بنیادی کام چھ جلدوں میں لکھی جانے والی صحیح مسلم کی وہ شرح ہے جو انھوں نے انگریزی زبان میں مرتب کی۔ یہ کام جس لگن' محنت' محبت اور جذبۂ عشق کے ساتھ انھوں نے کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ جن دنوں وہ یہ تاریخ ساز کارنامہ انجام دے رہے تھے ان دنوں مجھے بارہا ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا۔ وہ پنجاب پبلک لائبریری کے ایک گوشے میں بیٹھ کر کام کرتے تھے جہاں ایک خاص کمرہ ان کے لیے مختص تھا۔ وہ علی الصباح اپنے گھر گوجرانوالہ سے ٹرین میں سوار ہو کر لاہور پہنچتے اور لاہور ریلوے اسٹیشن سے بذریعہ بائیسکل پنجاب پبلک لائبریری پہنچتے جہاں وہ دن بھر مصروف کار رہتے۔ حدیث' تفسیر' فقہ' تاریخ اسلام اور لغت کی کتابیں ان

کے چاروں طرف بکھری ہوتیں۔ ایک کرسی پر وہ خود تشریف فرما ہوتے' برابر والی کرسی پر ان کی شیروانی ہوتی اور ایک کرسی ملاقاتیوں کے لیے دستیاب رہتی۔ ملاقاتی اگر دو ہوتے تو شیروانی کرسی سے منتقل ہو کر پروفیسر صاحب کے کاندھے پر آ جاتی۔ زیادہ ملاقاتیوں کی صورت میں کھڑے کھڑے سب سے بات کرتے اور دروازے تک ان کو رخصت کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے پروفیسر عبدالحمید صدیقی صاحب کے علم کے ساتھ ساتھ ان کے وقت میں بھی بڑی برکت عطا فرمائی تھی۔ وہ ان چند گھنٹوں میں بہت سے متنوع کام کر لیتے تھے۔ خود صحیح مسلم کے ترجمہ اور شرح کا کام اتنا بڑا تھا جس کے لیے ہر طرف سے یکسوئی درکار تھی۔ لیکن وہ آنے والے ملاقاتیوں' مجھ جیسے نیازمند طالب علموں' جماعت اسلامی کے کارکنوں سمیت روزانہ بیسیوں آدمیوں سے ملتے لیکن پیشانی پر ذرا بل نہ آتا۔ ملاقاتیوں کے علاوہ دوسرے بہت سے چھوٹے موٹے کام بھی اسی دوران ہوتے رہتے۔ ہر آنے والے کی اس کی حیثیت کے مطابق تواضع بھی ہوتی۔ وہ خود بہ اصرار باہر تشریف لے جاتے اور جا کر چائے خانے میں چائے کا آرڈر دے کر آتے۔ چائے خانہ میں ان کا کھاتہ کھلا رہتا جس کی وہ ہر ماہ کے آغاز میں ادائیگی کر دیتے۔

صحیح مسلم کی شرح اور ترجمے کا یہ کام سالہا سال جاری رہا۔ جوں جوں وہ کام کرتے جاتے کتاب کی جلدیں شائع ہوتی جاتیں۔ اس دوران میں اور بھی متفرق کام آتے اور نبٹتے رہتے۔ چنانچہ کئی ایک چھوٹی بڑی کتابیں اس دوران قلم سے نکلیں اور شائع ہوتی رہیں۔ بعض دیگر کتابوں کے بھی عربی سے انگریزی ترجمے پروفیسر صاحب کے قلم سے نکلے۔ انھی دنوں کا ذکر ہے کہ ایک بار میں حاضر خدمت ہوا تو فرمانے لگے کہ کویت کے فلاں ادارے کی طرف سے چند کتابوں کے عربی سے انگریزی تراجم کی پیش کش آئی ہوئی ہے اگر تم وقت نکال سکو تو یہ کام علمی اعتبار سے بھی مفید ہو گا اور مالی اعتبار سے بھی اچھی خاصی یافت ہو گی۔ میں نے ادب سے عرض کیا کہ خود آپ سے بہتر کون اس کام کو کر سکتا ہے۔ میرے اس جواب میں اشارتاً یہ امر بھی پنہاں تھا کہ اس مالی یافت سے اگر آپ خود مستفید ہوں تو اس میں کیا حرج ہے۔ یہ اشارہ میں نے بہت ڈرتے ڈرتے اور بہت ہی کنایہ کے انداز میں کیا تھا لیکن وہ اس کو فوراً ہی تاڑ گئے۔ میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر مسکرائے اور جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں اپنے دستیاب اوقات کو چار حصوں میں تقسیم کرتا ہوں اور چاروں حصوں کے لیے طویل المیعاد ذمہ داریاں میں نے اٹھا رکھی ہیں۔ پھر خود ہی ان چاروں کی تفصیل بتائی اور فرمایا کہ علی الصباح نماز فجر سے پہلے اور نماز فجر کے بعد اور رات گئے نماز عشا کے بعد کے اوقات اپنی علیل اور معمر والدہ کی خدمت کے لیے وقف کر رکھے ہیں۔ دن کے اوقات کا بیشتر حصہ ترجمان القرآن کی ادارت اور صحیح مسلم کے ترجمہ اور تشریح کے لیے وقف ہے۔ ان دونوں

کاموں سے جو تھوڑا بہت وقت بچتا ہے وہ دوسرے متفرق علمی کاموں کے لیے مقرر ہے۔

یہ بات میرے ذاتی علم میں تھی کہ جس ناشر کے زیر اہتمام **صحیح مسلم** کی انگریزی شرح شائع ہو رہی تھی اس کے ہاں سے پروفیسر صاحب کو جو اعزازیہ ملتا تھا وہ اس قدر ناکافی تھا کہ شاید حکومت پاکستان کے درجہ چہارم کے ملازمین کی تنخواہ سے بھی کم تھا۔ اسی طرح وہ ادارہ **ترجمان القرآن** سے بھی برائے نام اعزازیہ قبول کرنے پر اکتفا کرتے تھے اور یہی ان کی کل یافت تھی۔

اس اچھی خاصی تنگ دستی کے باوجود قناعت اور مہمان نوازی کے ایسے عجیب و غریب مناظر دیکھنے میں آتے تھے جو صدیقی صاحب کے غیر معمولی اخلاص' ایمان' عزیمت کے غماز تھے۔

ان دنوں میں نے ان کی ایک انگریزی کتاب A Philosophical Interpretation of History (تاریخ کی ایک فلسفیانہ تعبیر) پڑھی تھی' جو اپنے موضوع پر ایک بڑی فاضلانہ اور وقیع کوشش تھی۔ پروفیسر صاحب نے مغربی اور کمیونسٹ مفکرین کے فلسفہ تاریخ کا ناقدانہ جائزہ لے کر قرآن کے نظریۂ تاریخ کو بیان کیا تھا۔ میں نے اس کتاب کا ذکر اپنے دوست جناب قمرالدین محمد عارف سے کیا جو ان دنوں پاکستان میں ملایشیا کے ہائی کمشنر تھے۔ یہ ۱۹۷۴-۷۵ء کا ذکر ہے۔ ملایشیا کے ہائی کمشنر بھی اس کتاب کو پڑھ کر بہت متاثر ہوئے اور کئی بار اس کتاب کے بارے میں اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔ اسی دوران وہ کسی سرکاری کام سے ملایشیا گئے تو جاتے وقت اس کا ایک نسخہ وزیراعظم ملایشیا کے لیے بھی لے گئے۔ واپسی پر ہائی کمشنر صاحب نے مجھ سے کہا کہ اگر پروفیسر عبدالحمید صدیقی ملایشیا جانا چاہیں تو ان کی شرائط کیا ہوں گی؟ ہائی کمشنر نے یہ بھی بتایا کہ حکومت ملایشیا پروفیسر صاحب کی ہر شرط قبول کرنے کو تیار ہے لیکن جب میں نے لاہور جا کر صدیقی صاحب سے اس پیش کش کا تذکرہ کیا تو انھوں نے قدرے ناگواری اور استغنا سے میری بات سنی ان سنی کر دی' اور کسی اور موضوع پر گفتگو شروع کر دی۔ جب میں نے چلتے وقت دوبارہ ان سے پیش کش کی بابت رائے لی تو فرمایا کہ میرے لیے نہ **ترجمان القرآن** سے کیے ہوئے عہد کو توڑنا آسان ہے' نہ میں **صحیح مسلم** کے کام کو ادھورا چھوڑ سکتا ہوں اور نہ والدہ کی خدمت کے لیے کسی اور پر بھروسا کر سکتا ہوں۔

پروفیسر عبدالحمید صدیقی کا آخری علمی کارنامہ قرآن پاک کا وہ نامکمل ترجمہ اور حواشی ہیں جن کے وہ صرف ۱۴ پارے مکمل کر پائے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اس وقت تک کے دستیاب انگریزی تراجم اور تفاسیر میں چونکہ خاص طور پر اہل مغرب کو مخاطب کیا گیا ہے اس لیے انگریزی تفاسیر قرآن میں دانستہ یا نادانستہ صرف وہی مباحث آئے ہیں جو ایک مغربی قاری کی دلچسپی اور اہتمام کا موضوع سمجھے جاتے ہیں۔ اس طرح ایسے بہت سے مباحث سے صرف نظر ہو جاتا ہے جو تفسیر قرآن کے باب میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔

پروفیسر صاحب کا خیال تھا کہ انگریزی زبان میں ایک ایسی مختصر تفسیر قرآن کی ضرورت ہے جس میں علم تفسیر اور قدیم مفسرین کے وہ تمام مسائل و مباحث بیان کیے جائیں جن پر مفسرین کا عمومی اتفاق رائے رہا ہے۔

اس غرض کے لیے انھوں نے قرآن کے ایک نئے انگریزی ترجمے کا آغاز کیا جس کے ساتھ مختصر جامع حواشی کا بھی اضافہ کیا گیا۔ ان حواشی کی تیاری میں انھوں نے جن کتابوں کو بنیاد بنایا ان میں علامہ ابن کثیر دمشقی کی تفسیر تفسیر القرآن العظیم' امام شوکانی کی تفسیر فتح القدیر' علامہ محمود آلوسی کی تفسیر روح المعانی اور چند ایک دوسری تفاسیر شامل تھیں۔ ان تفاسیر میں وہ فتح القدیر کے بڑے قائل اور مداح تھے۔ میں نے پہلے پہل فتح القدیر کا نام انھی سے سنا تھا بلکہ جب انھوں نے پہلی بار اس کا مجھ سے ذکر کیا تو میں اس کو فقہ کی مشہور کتاب فتح القدیر (شرح ہدایہ) سمجھا اور دل ہی دل میں حیران رہا کہ' تفسیر قرآن میں آخر اس کی ایسی کیا اہمیت ہے۔ بعد میں پتا چلا کہ یہ فتح القدیر اور ہے۔ پروفیسر صاحب کا خیال تھا کہ انگریزی میں ان اہم تفاسیر کے مضامین کا خلاصہ آجائے تو انگریزی خواں قارئین کو علوم قرآن کی بہت سی نئی جہتوں سے واقفیت ہو جائے گی۔

پروفیسر صاحب نے اس کام کا آغاز ۱۹۷۵ء کے لگ بھگ کیا۔ وہ ایک ایک پارے کا ترجمہ کرتے جاتے اور ان کا ناشر ایک ایک پارہ الگ الگ شائع کرتا جاتا۔ تقریباً ۱۳ پارے شائع ہوئے تھے کہ پروفیسر صاحب ۱۹۷۶ء کے وسط میں اچانک فالج کے حملے کا شکار ہو گئے اور جو کام جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ وہ فالج کے حملے سے قدرے صحت یاب ہوئے تو دوبارہ لاہور آنا جانا شروع ہوا۔ ان کو میرے بارے میں کسی وجہ سے غیر معمولی حسن ظن پیدا ہو گیا تھا۔ ان دنوں میں مزاج پرسی اور دست بوسی کے لیے حاضر ہوا تو فرمایا: میں نے ناشر کو تمھارا نام دے دیا ہے اور میری خواہش ہے کہ تفسیر قرآن کے بقیہ اجزا کی تکمیل تم کرو۔ میں نے ادب سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو شفا عطا فرمائے تو آپ ہی اس کی تکمیل فرمائیں۔ یوں بھی چونکہ آغاز بھی آپ نے فرمایا ہے اور اسلوب بھی آپ نے ہی طے کیا ہے اس لیے یہ کام آپ ہی کے قلم سے مکمل ہو تو اچھا ہے۔ افسوس کہ ان کی صحت یابی کا یہ مرحلہ مختصر ہی رہا اور ان کی بیماری جو محض ایک اتفاق کا نتیجہ تھی دوبارہ شروع ہو گئی۔

انھوں نے خود مجھے بتایا کہ وہ بالکل صحت یاب تھے اور حسب معمول اپنے جاں گسل فرائض کی انجام دہی میں مصروف تھے کہ ایک روز ان کے ایک قریبی عزیز نے جو ایک ماہر معالج تھے انھیں مشورہ دیا کہ وہ حفظ ماتقدم کے طور پر کوئی مناسب وٹامن یا مقویات پر مبنی دوا استعمال کیا کریں۔ انھی کے مشورے سے انھوں نے کوئی عام سی دوا استعمال کی جس کے ردعمل کے طور پر ان کو فالج اور عارضہ قلب کے شدید حملے نے آلیا۔ اس بیماری نے طول پکڑا اور صحت کے مختصر وقفوں کے باوجود ان کی طبیعت پورے طور پر نہ

سنبھل سکی۔ بالآخر ۱۸ اپریل ۱۹۷۸ء کو وہ اس رب جلیل کے حضور پہنچ گئے جس کی رضا کے لیے انھوں نے نصف صدی کے قریب ہر قسم کی دنیاوی آسایش و آرام اور مال و دولت حتیٰ کہ ملازمت کو بھی قربان کیا۔ ان کی زندگی میں علامہ اقبالؒ کے یہ اشعار متجسد معلوم ہوتے تھے:

خاکی و نوری نہاد' بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی' اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل' اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دلفریب' اس کی نگہ دلنواز
نرم دم گفتگو' گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو' پاک دل و پاکباز

مجھے ان کے آخری ایام میں ان کی خدمت میں زیادہ حاضری کا موقع نہ مل سکا۔ کئی بار خیال ہوا کہ گوجرانوالہ جا کر ان کی قدم بوسی کروں' لیکن سستی اور آرام طلبی مانع رہی۔ افسوس جو تھکا دینے والا سفر وہ روزانہ سالہا سال تک کرتے رہے' وہ میں ان کی مزاج پرسی کی خاطر ایک بار بھی نہ کر سکا۔ یہی فرق ہے پروفیسر عبدالحمید صدیقی صاحب مرحوم جیسے قدآور اور عبقری اہل علم میں اور ہمارے دور کی آرام طلب اور کام چور نسل میں۔ اللہ تعالیٰ نے پروفیسر عبدالحمید صدیقی کے درجات یقیناً بلند فرمائے ہوں گے۔ مجھے یقین ہے کہ خداوند قدوس نے ان کا حشر سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منتسبین میں کیا ہو گا جن کی کل متاع مال و دولت دنیا اور یہاں کے رشتہ و پیوند کے بجائے صرف دولت لا الٰہ تھی۔ ایسی ہی شخصیتوں کو دیکھ کر یہ شعر یاد آتا ہے ؎

یہ مال و دولت دنیا' یہ رشتہ و پیوند بتان وہم و گماں لا الٰہ الا اللہ

۲

پروفیسر خورشید احمد

پروفیسر عبدالحمید صدیقی مرحوم کے علم اور سیرت دونوں نے میرے دل و دماغ پر گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ وہ استاد تھے اور میں طالب علم۔ لیکن انھوں نے ہمیشہ اتنی عالی ظرفی سے معاملہ کیا کہ میں ان کا گرویدہ ہو گیا۔ معاملات میں وہ بہت کھرے تھے' قناعت ان کا شعار تھا' ملنساری میں اپنی مثال آپ تھے

اور ہمیشہ دوسروں کے حسنات پر نگاہ رکھتے تھے جو ان کی عالی ظرفی کا ثبوت ہے۔

پروفیسر عبدالحمید صدیقی کا مطالعہ بہت وسیع تھا' لیکن وہ صرف کتابی آدمی نہیں تھے بلکہ مطالعہ اور تحقیق کے ساتھ تفکر اور علمی اعتبار سے خود اپنی راہ نکالنے والوں میں سے تھے۔ مغرب کے فکر پر ان کی نگاہ بہت گہری تھی۔ گو ان کا تخصص معاشیات کے میدان میں تھا لیکن تاریخ اور فلسفہ پر بھی ان کی نگاہ بہت گہری تھی اور انسانی نفسیات کا بھی انھوں نے بڑی دقت نظر سے ادراک کیا تھا۔ قرآن و سنت کا مطالعہ بھی ایک محقق کے انداز میں کیا تھا البتہ میں ان کو صرف محقق نہیں بلکہ ایک Original Thinker سمجھتا ہوں۔ بہ حیثیت مترجم بھی ان کی بڑی گراں قدر خدمات ہیں۔ خصوصیت سے احادیث کے مجموعوں کا جو ترجمہ انھوں نے کیا ہے وہ اپنی صحت اور سلاست کے اعتبار سے منفرد ہے۔

مولانا مودودیؒ کی فکر سے ان کو بہت گہری مناسبت تھی اور اسلوب تحریر میں بھی انھوں نے مولانا مرحوم کے تتبع کی کوشش کی ہے۔ ترجمان القرآن میں مولانا کی معاونت انھوں نے عبادت سمجھ کر کی اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کے دور تعاون میں ترجمان القرآن اپنے روایتی کردار کو بحسن و خوبی انجام دیتا رہا۔ ان کی تمام کتابیں علمی شان کے ساتھ دعوت اور پیغام کے اعتبار سے بھی نہایت بلند مقام رکھتی ہیں۔

میرے تعلقات ان سے اسلامی جمعیت طلبہ کے ابتدائی دور سے لے کر ان کی وفات حسرت آیات تک جاری رہے اور میرے بڑے بھائی ہونے کے باوجود وہ مجھ سے اس طرح معاملہ کرتے رہے جیسے وہ میرے چھوٹے بھائی ہوں۔ کردار کی بلندی کا یہ مقام کم ہی لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ واقعات تو بے شمار ہیں اور خط و کتابت بھی میری ان سے مسلسل رہی لیکن بدقسمتی سے کوئی ریکارڈ محفوظ نہیں۔

میں صرف اتنی بات کہنا چاہتا ہوں کہ ان سے میری محبت اور عقیدت اس درجے کی تھی کہ جن افراد سے ملنے کے لیے میں نے سفر کیا ان میں سے ایک برادر محترم پروفیسر عبدالحمید صدیقی تھے۔ میں ایک ہی بار گوجرانوالہ گیا وہ بھی صرف ان سے ملنے کے لیے۔ اس طرح ان کے گھر پر ان کی لائبریری کی زیارت بھی کی اور ان کی سادہ اور پاک صاف زندگی کا بھی مشاہدہ کیا۔

اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور علم و ادب اور سیرت و کردار کے جو چراغ انھوں نے روشن کیے وہ ہمیشہ ضوفشانی کرتے رہیں (ایک خط کے جواب میں: ۱۷ فروری ۲۰۰۰)۔

نئی مطبوعات

۱۔ اسلامی جامعات	ظہیر الدین بھٹی (مترجم)
۲۔ حرمین الشریفین اور تبرکات نبویؐ	علی اصغر چوہدری
۳۔ سائنس خدا کے حضور میں	پروفیسر راؤ مختار احمد
۴۔ ذوالجلال والاکرام	شاہدہ ناز قاضی
۵۔ شعلۂ گفتار	محمد منیر افضل
۶۔ تفہیم القرآن کی تمثیلات و تشبیہات	ڈاکٹر محمد جنید
۷۔ تسہیل القرآن	میر محمد حسین
۸۔ قرآنی سورتوں کے موضوعات و مرکزی مضامین	امیر محمد حسین
۹۔ سیرت نبویؐ میں عورت کا کردار	پروفیسر عاصمہ فرحت
۱۰۔ امریکہ میں مسلمان اور ان کی قیادت	ابراہیم ہمدانی
۱۱۔ اسلام کی اخلاقی تعلیمات	عرفان حسن صدیقی
۱۲۔ احکام الٰہی	مرزا جاوید اقبال
۱۳۔ دعوت ایمان	محمد ندیم اعظم
۱۴۔ تفہیم الاسلام (نہم، دہم)	
۱۵۔ جدید ترکی میں اسلامی بیداری	ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی
۱۶۔ عالم عرب پر مشنری یلغار	ظہیر الدین بھٹی (مترجم)
۱۷۔ اسلام جدید دور میں	سلمان حسین خان

اخبار امت

نائیجیریا میں عیسائی مسلم فسادات

شہزاد چشتی ○

فروری ۲۰۰۰ء کے آخری ہفتے میں شمالی نائیجیریا کے شہر کڈونا میں عیسائی مسلم فسادات بڑے پیمانے پر پھوٹ پڑے جس کی خبر مغربی ذرائع ابلاغ Sharia Clashes کے عنوان سے دے رہے ہیں۔ اس کے نتیجے میں ایک ہزار سے زائد افراد جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ مساجد اور گرجا جلا ڈالے گئے' گاڑیوں' سرکاری اور غیر سرکاری املاک کو نقصان پہنچایا گیا۔ کسی بھی خبر رساں ایجنسی نے یہ نہیں بتایا کہ مرنے والوں میں مسلمان زائد تھے یا عیسائی؟ لیکن اندازہ ہوتا ہے کہ مرنے والوں میں مسلمان زیادہ ہوں گے اس لیے کہ کڈونا شہر میں مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے اور فسادات کو روکنے والی پولیس اور ملٹری میں عیسائی زیادہ ہیں۔ عام طور پر یہ ادارے اپنے ہم عقیدہ لوگوں کی اعانت کرتے ہیں' لہٰذا خبر میں بھی اس طرف اشارہ ہے کہ جن لوگوں نے ملٹری یا پولیس بیرکس میں پناہ لی وہاں بھی وہ محفوظ نہیں رہے' فساد کرنے والوں نے ان کو وہاں بھی جا لیا۔

کڈونا' نائیجیریا کا ایک بڑا شہر ہے۔ اس میں مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے۔ عیسائی زیادہ تر وہ ہیں جو جنوبی علاقوں سے آئے ہیں' تجارت پیشہ اور کاروباری لوگ ہیں۔ ان کے اصل گھر جنوب میں ہی ہیں۔ کڈونا کی ریاست نے شریعت کے نفاذ کا صرف ارادہ ظاہر کیا تو اس کے خلاف ان عیسائیوں نے ایک بڑا مظاہرہ کیا' جس میں توڑ پھوڑ ہوئی۔ پھر اس مظاہرے نے عیسائی مسلم فساد کی صورت اختیار کر لی جس کو فرو کرنے میں ناکامی پر ملٹری کو بلا لیا گیا اور کچھ دنوں کے لیے کرفیو بھی لگا دیا گیا۔

شمالی نائیجیریا کے دو اہم شہر کانو اور کڈونا برطانوی استعمار سے آزادی (۱۹۶۳ء) کے بعد ہی سے عیسائی مسلم فسادات کی آماجگاہ رہے ہیں۔ ہر سال دو سال بعد ان شہروں میں مذہبی فسادات پھوٹ پڑتے ہیں

○ سابق وائس پرنسپل' گورنمنٹ کالج' میڈاگوری' نائیجیریا

جس سے نہ صرف قیمتی انسانی جانیں تلف ہوتی ہیں بلکہ عبادت گاہوں اور املاک کو بھی سخت نقصان پہنچایا جاتا ہے۔ ان فسادات کے پس پردہ کون ہے؟ اس بارے میں مغربی ذرائع ابلاغ خصوصیت سے رائٹر نے بہ تکرار بیان کیا ہے کہ جب سے صدر اوباسنجو نے' جو جنوب کے عیسائی ہیں' انتخابات میں کامیابی کے ذریعے اقتدار سنبھالا ہے (مئی ۱۹۹۹ء) اور ۱۵ برس کا فوجی اقتدار جو زیادہ تر شمال کے مسلمان جنرلوں پر مشتمل تھا' ختم کیا ہے' قبائلی اور مذہبی جذبات میں شدت آگئی ہے۔ لیکن یہ لوگ یہ بات کہتے ہوئے بھول جاتے ہیں کہ یہ فسادات کوئی نئے نہیں ہیں بلکہ آزادی کے بعد سے مسلسل ہوتے رہے ہیں لہٰذا مسلمانوں پر ان فسادات کی ذمہ داری ڈالنا صحافتی بددیانتی ہے۔

نائیجیریا کی ۳۶ ریاستوں میں سے شمالی نائیجیریا کی چند ریاستیں جہاں مسلمان بڑی اکثریت میں ہیں رفتہ رفتہ یہ فیصلہ کر رہی ہیں کہ وہ اپنی ریاستوں میں شریعت نافذ کریں گے۔ یہ وضاحت ساتھ ہی کی جاتی ہے کہ اس کا اطلاق اقلیتوں پر نہیں ہو گا۔ زمفارا نامی ایک چھوٹی ریاست نے اکتوبر سے شرعی قوانین نافذ کر دیے تھے۔ مخلوط تعلیم ختم کر دی تھی۔ خواتین کے لیے علیحدہ بسیں چلائی تھیں۔ پھر شریعت کی پابندی کرتے ہوئے ایک مسلمان کو شراب پینے کے جرم میں سرعام کوڑے بھی لگائے گئے۔ نائیجر اور سوکوٹو کی دو دوسری ریاستوں نے بھی فروری ۲۰۰۰ء میں یہ اعلان کر دیا کہ وہ بھی قانون شریعت نافذ کر رہی ہیں۔ لہٰذا اس بات کا امکان تھا کہ کانو اور کدونا کی ریاستیں جلد یا بدیر قانون شریعت کا نفاذ کر دیں گی۔ اس صورت حال کو نائیجیریا کے متعصب عیسائی' بین الاقوامی عیسائی ادارے مثلاً کرسچین بین الاقوامی سالیڈیریٹی (CIS) جس کا مرکز سوئٹزرلینڈ میں ہے' اور امریکی کانگریس کے چند نمایندے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں اور مذہبی منافرت پیدا کر رہے ہیں۔

نائیجیریا رقبہ' آبادی' فوجی قوت اور عمدہ تیل کی پیداوار کے اعتبار سے افریقہ کا سب سے بڑا اور بااثر ملک ہے۔ رقبہ تقریباً ساڑھے نو لاکھ مربع کلومیٹر ہے' جب کہ آبادی ۱۱ کروڑ کے قریب ہے جو ۲۵۰ قبائل پر مشتمل ہے۔ شمال میں' جو زیادہ تر خشک علاقہ ہے' حوسہ' فلانی' کنوری قبائل آباد ہیں جب کہ جنوب مشرق میں اِبو اور جنوب مغرب میں یروبا بڑے قبیلے ہیں۔ اِبو زیادہ تر عیسائی ہیں جب کہ بقیہ قبائل زیادہ تر مسلمانوں پر مشتمل ہیں۔ پھر ان سب میں بت پرست (pagans) بھی اچھی خاصی تعداد میں ہیں۔ شمال میں حوسہ' جنوب مشرق میں اِبو اور جنوب مغرب میں یروبا زبانیں عام طور پر بولی اور سمجھی جاتی ہیں۔ انگریزی قومی زبان ہے جسے انگریزوں نے اپنے دورِ اقتدار میں یہ مقام دلایا۔ حوسہ اور یروبا پہلے عربی رسم الخط میں لکھی جاتی تھیں مگر برطانوی حکمرانوں نے رومن رسم الخط جاری کر دیا۔ اب یہ زبانیں رومن رسم الخط میں لکھی جاتی ہیں۔

اسلام دوسری صدی ہجری میں نائیجیریا میں داخل ہو گیا تھا۔ شمالی افریقی ممالک مصر' الجیریا' مراکش' لیبیا' سوڈان وغیرہ سے مسلمان تجار کانو' کڈونا اور سوکوٹو وغیرہ بغرض تجارت آتے جاتے تھے۔ یہ مسلمان تجار اسلام کی تبلیغ کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ اس طرح آہستہ آہستہ ان لوگوں کی کوششوں سے اسلام شمالی اور مغربی نائیجیریا کے قبائل کا طریقہ زندگی بن گیا۔ ۱۹ ویں صدی میں پورے شمالی نائیجیریا میں مسلمانوں کی وسیع سلطنت قائم تھی جس کا مرکز سوکوٹو تھا جہاں سے سوکوٹو کا سلطان حکومت کرتا تھا اور سارا علاقہ چھوٹی چھوٹی امارتوں پر مشتمل تھا جنھیں علاقائی امیر کنٹرول کرتے تھے۔ مسلمانوں میں آہستہ آہستہ جب اعتقادی' عملی اور معاشرتی خرابیاں پیدا ہوئیں تو ایک بڑی موثر اصلاحی اور جہادی تحریک ۱۸۰۴ء میں شروع ہوئی۔ ایک عالم باعمل اور مجاہد بالسیف عثمان ڈن فوڈیو نے اس تحریک کی قیادت کی اور پورے مسلمان معاشرے کو بڑی حد تک برائیوں سے پاک کر دیا اور ان میں دینی روح پھونکی۔ اس تحریک کے اثرات آج تک مسلمانوں کی عملی زندگی میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ مشرقی نائیجیریا میں بت پرستوں کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں جن کا سب سے بڑا قبیلہ اِبو تھا۔ مغرب میں یروبا قبیلے کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں۔ اس وقت نائیجیریا میں عیسائیت کا دور دور تک کوئی نام و نشان نہیں ملتا تھا۔

اٹھارویں صدی کے شروع میں برطانوی استعماریت نے نائیجیریا میں اپنے قدم جمائے اور ۱۸۹۰ء میں پہلے جنوبی نائیجیریا میں اپنی حکومت قائم کی اور بعد میں ۱۹۰۰ء میں شمالی نائیجیریا پر قبضہ جمایا۔ برطانوی استعماریت کے جلو میں ۱۸۵۰ء میں عیسائی مبلغین نے نائیجیریا پر یلغار کی۔ یہ لوگ لاگوس اور اوواری کی بندرگاہوں سے داخل ہوئے اور برطانوی حکومت کی امداد سے عیسائی تبلیغی مراکز' گرجا گھر' اسکول اور شفاخانے قائم کیے اور بڑے پیمانے پر بت پرستوں کو عیسائی بنایا۔ پھر جب ان مبلغین نے شمالی نائیجیریا میں اپنی تبلیغی مساعی شروع کیں تو مسلمان مبلغین سے ان کا تصادم شروع ہو گیا۔ یہ اپنے ساتھ مذہبی جنگوں کی تاریخ اور ذہنیت لیے یہاں داخل ہوئے اور جارحانہ انداز میں مسلمانوں کے ساتھ پیش آئے۔

ساری دنیا میں آزادی کی لہر کے نتیجے میں برطانوی استعمار کو رخصت ہونا پڑا اور ۱۹۶۳ء میں نائیجیریا آزاد ہوا۔ اس وقت نائیجیریا میں صرف تین ریاستیں تھیں: شمالی' جنوبی اور مغربی۔ مسلمان کیونکہ حکومت کرتے آئے تھے اور انتظامی معاملات کا تجربہ اور سمجھ رکھتے تھے لہٰذا قومی حکومت میں ان کو حصہ زیادہ ملا۔ ایک بااثر مسلمان تفاوابلیوا وزیراعظم ہوئے اور ایک عیسائی اولوو صدر۔ شمالی نائیجیریا میں بارعب اور بااثر شخصیت سر احمد وبیلو کی حکومت تھی۔ یہ دو افراد حکومت میں بااثر ہونے کے ساتھ ساتھ مسلمان عوام میں بھی بے حد مقبول تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کے مفاد اور بہتری کے لیے جماعت ناصرالاسلام بنائی جس میں ملک کے نامور علما و فضلا اور بااثر مسلمان شخصیات شامل تھیں۔ ان کی کوششوں سے اسلام بڑی تیز رفتاری سے

نائیجیریا میں پھیل رہا تھا۔ یہ حضرات ناصرالاسلام کے پلیٹ فارم سے تبلیغ کے مشن پر نکلتے تو بڑے بڑے مجمعوں میں ہزاروں بت پرست اور عیسائی بیک وقت مسلمان ہو جاتے۔ یہ بات بین الاقوامی عیسائیت اور مقامی پرجوش عیسائیوں کے لیے ایک چیلنج تھی۔ لہٰذا ۱۹۶۳ء میں مردم شماری ہوئی تھی اس میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی۔ اس پر بے اطمینانی پیدا کی گئی اور بے اطمینانی کو بہانہ بناکر ۱۹۶۶ء میں پہلا فوجی انقلاب برپا کیا گیا۔ اس وقت فوج کی بیشتر قیادت عیسائی تھی۔ لہٰذا اس انقلاب میں ساری مسلمان سیاسی قیادت (سر احمد وبیلو' تفاوابلیوا اور دوسرے سرکردہ رہنماؤں) کو شہید کر دیا گیا اور جنرل یرونسی صدر بن گیا۔ لیکن اسی سال ایک دوسرے فوجی انقلاب کے ذریعے ایک اور معتدل عیسائی جنرل یعقوبوگوان صدر بنے۔ یہ شمال کے معتدل عیسائی تھے اور مسلمانوں کی مدد سے انقلاب لائے تھے۔ عیسائی مسلم کش مکش جاری رہی۔ ۱۹۶۸ء میں جنوب کی ایک ریاست نے' جہاں عیسائی اکثریت ہے اور اس کی سمندری حدود میں عمدہ قسم کا تیل نکل آیا ہے' مرکزی حکومت کی وعدہ خلافیوں کو بہانہ بناکر مرکز سے بغاوت کر دی اور ایک علیحدہ ملک بیافرا کا اعلان کر دیا۔ اس بغاوت کی قیادت جنرل اجوکو کر رہا تھا۔ یہ جنگ تین سال تک چلی۔ اس جنگ میں عیسائی مغرب--- فرانس' برطانیہ--- کی نہ صرف ہمدردیاں بیافرا کے ساتھ تھیں بلکہ عملاً ریڈکراس کی مدد کے نام سے ان کے طیاروں نے خفیہ طور پر جنگی سازوسامان سے مدد کی۔ ادھر مرکز مضبوط تو تھا مگر اس نے مصر اور دوسری شمالی افریقی ممالک سے مدد حاصل کی۔

۱۹۷۵ء تک مرکزی حکومت کی مالی بدعنوانیاں اتنی بڑھیں کہ جنرل مرتلہ محمد ایک اور فوجی انقلاب لائے۔ اس کو مسلمانوں کی حمایت حاصل تھی اور اس کی پالیسیوں کو عمومی حمایت حاصل ہوئی لیکن فروری ۱۹۷۶ء میں چھوٹے افسروں کے ایک گروپ نے ایک اور خونی فوجی انقلاب برپا کر دیا۔ اس گروپ میں زیادہ تر عیسائی تھے۔ مرتلہ محمد قتل کر دیے گئے مگر یہ فوجی انقلاب کامیاب نہ ہوا۔ ایک معتدل عیسائی جنرل اوباسانجو نے اقتدار سنبھال لیا اور بڑی جدوجہد کے بعد اکتوبر ۱۹۷۹ء میں انتخاب کروا کر حکومت ایک مسلمان صدر شیھوشگاری کے حوالے کردی۔ لیکن پھر حکومت بڑے پیمانے پر کرپشن کا شکار ہوئی اور یکے بعد دیگرے فوجی انقلابات برپا ہوئے جو عموماً مسلمان جنرلوں کے لائے ہوئے تھے۔ ان جنرلوں کے نام مسلمانوں کے تھے لیکن اپنے چال چلن اور کردار میں اسلام سے بہت دور تھے۔ آخر میں انقلاب کے نتیجے میں پھر عوامی انتخابات ہوئے اور گذشتہ سال مئی میں جنرل اوباسانجو عوامی ووٹ لے کر صدر منتخب ہوئے۔

تمام ہی فوجی اور سول حکومتوں کے دور میں کڈونا اور کانو میں عیسائی مسلم فسادات ہوئے اور مسلمانوں کو کبھی بھی مسلمان فوجی حکومتوں سے کوئی سہارا نہیں ملا۔ ان مسلمان جنرلوں نے مسلمانوں کا ساتھ دیا نہ شریعت کے نفاذ میں مسلمانوں کی کوئی مدد کی۔

شریعت کے نفاذ کی جب بھی بات آتی ہے تو غیر مسلم اور خصوصیت سے عیسائی--- مقامی اور بین الاقوامی دونوں--- اس فکر میں لگ جاتے ہیں کہ شریعت کے نفاذ کو کس طرح روکا جائے۔ شریعت کے نفاذ کی مخالفت ان کا عقیدہ بن گیا ہے۔ انڈونیشیا' ملائیشیا' پاکستان' سوڈان' مصراور اسی طرح کے دوسرے مسلم ممالک میں اس بات کو واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ حالانکہ عیسائی "خدا کی حکومت آئے" کا مشن لیے تبلیغ کرتے نظر آتے ہیں مگر جب مسلمان خدا کی حکومت یعنی شریعت کے نفاذ کی کوشش کرتے ہیں تو یہی حضرات اس کی سخت ترین مخالفت کرتے ہیں حتیٰ کہ فتنہ وفساد برپا کرنے سے بھی باز نہیں رہتے۔

شریعت پر اعتراض ہے کہ ہاتھ قلم کر دیے جاتے ہیں' کوڑے لگائے جاتے ہیں' سزائے موت دے دی جاتی ہے۔ نائیجیریا میں اس حوالے سے عیسائیوں اور اسلام مخالف لوگوں کی ذہنیت پر غور کیجیے۔ نائیجیریا میں ایک ایسا وقت گزرا ہے جب کہ ڈاکہ زنی اور لوٹ مار عام ہو گئی تھی' لوگوں کو دن دھاڑے نہ صرف لوٹ لیا جاتا بلکہ قتل کر دیا جاتا۔ اس وقت مرکزی حکومت نے فیصلہ کیا کہ چوروں اور ڈاکوؤں کو سرعام گولی مار دی جائے اور ہوا بھی یونہی۔ ہر ہفتے لاگوس کے ساحل پر ۵' ۶ افراد کو سرعام ہزاروں افراد کے سامنے گولی مار دی جاتی۔ ان مجرموں میں زیادہ تر عیسائی یا لامذہب ہوتے۔ لیکن کسی عیسائی نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ اگر یہی سزائیں شریعت کے قانون کے تحت دی جاتیں تو پورے نائیجیریا میں کہرام مچ جاتا۔

صورت حال پر عارضی طور پر اس طرح قابو پانے کی کوشش کی گئی ہے کہ شریعت کے نفاذ کو' جیسا کچھ بھی ہونا تھا' معطل کر دیا گیا ہے۔ ان قوانین کے نفاذ سے عیسائیوں کو مستثنیٰ کر دیا جاتا ہے' پھر بھی مسلمان اپنے اکثریتی علاقوں میں اپنی مرضی سے شریعت کا نفاذ نہیں کر پا رہے ہیں۔ عالمی ادارے مقامی عیسائیوں کو استعمال کر کے فسادات برپا کروا دیتے ہیں اور امن و امان کا مسئلہ بنا دیتے ہیں۔ یقیناً یہ امت مسلمہ کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔

مصر میں حقوق و انصاف کا حشر

محمد ظہیرالدین بھٹی

مصر میں گذشتہ دنوں اخوان المسلمون کے جو رہنما گرفتار کیے گئے تھے' ان کے مقدمات فوجی عدالتوں میں جاری ہیں۔ برطانیہ میں قائم مصری ایکشن گروپ نے یہ اہتمام کیا کہ ایک چار رکنی وفد نے مصر کا دورہ کر کے کارروائی دیکھی۔ اس وفد کے ارکان یہ تھے: ۱۔ محترمہ جسٹس الزبتھ لوسون' جسٹس ہائی کورٹ' نمایندہ حقوقِ انسانی و عدالتی انصاف' ۲۔ داؤد بید کوک' صدر برطانوی اسلامی پارٹی' ۳۔ محی الدین ایڈوکیٹ'

سربراہ بین الاقوامی انصاف کمیٹی، ۴۔ کیتھ بال مارٹن، رکن کمیٹی تحفظ حقوق انسانی، رکن کلیسائے انگلستان، رکن سوسائٹی انسداد سود۔ اس وفد نے دورہ مصر سے واپسی کے بعد، ۹ فروری کو ایک کانفرنس میں اپنے تاثرات و مشاہدات پیش کیے۔

کانفرنس کی صدارت لارڈ نذیر احمد نے کی۔ آپ بین الاقوامی سطح پر حقوق انسانی کے مسائل میں دل چسپی لیتے ہیں اور دارلامرا کی حقوق انسانی کمیٹی کے ممبر ہیں۔ کانفرنس سے برطانوی عدالتی مشاورتی کونسل کے رکن جان پلانس میلز نے خطاب کیا۔ یہ ۹۶-۱۹۹۵ء میں، مصر میں اخوان المسلمون کے خلاف چلائے جانے والے مقدمات کا جائزہ لے چکے ہیں۔ مصری ایکشن گروپ کا قیام ۱۹۹۵ء میں بین الاقوامی عدالتی تنظیم کے اشتراک سے اس وقت عمل میں آیا، جب مصری حکام نے ایمرجنسی قوانین کا نفاذ کیا اور اپنے مخالف سیاست دانوں کے خلاف فوجی عدالتیں قائم کیں۔

لارڈ نذیر احمد نے کہا کہ مصر تاریخی لحاظ سے نمایاں مقام رکھتا ہے مگر اب مصری قوم آزادی اظہار اور سیاسی حقوق کے استعمال سے محروم ہے۔ محترمہ جسٹس الزبتھ نے بتایا کہ مصر جانے سے پہلے میں سوچتی تھی کہ یہ ملزم، امن و سلامتی اور معاشرے کے لیے کتنے خطرناک ہوں گے مگر قاہرہ پہنچنے کے اگلے ہی روز کمرہ عدالت میں ملزموں، ان کے بچوں اور اہل خانہ کو دیکھ کر، میرے سب وسوسے اور اندیشے غلط ثابت ہوئے۔ فوجی عدالت، قاہرہ سے ۴۰ کلومیٹر کے فاصلے پر صحرا میں ایک فوجی کیمپ میں قائم ہے۔ یہ مسافت وکلا، ملاقاتیوں اور عدالت کی کارروائی کا مشاہدہ کرنے والوں کو تھکا دینے کے لیے کافی ہے۔ شناخت کے لیے پہلے ایک لمبی قطار میں کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ یہاں پر بہت زیادہ ہجوم ہوتا ہے، ہمارے وفد کو بھی، اس بھیڑ میں کھڑا ہونا پڑا۔ طویل مسافت، مسلح فوجیوں کی بھاری نفری اور ایک لمبی قطار میں کھڑا ہونا، ملزموں اور ان کے اعزہ کو ہراساں و مرعوب کر دیتا ہے۔ یہ سارا عمل بذات خود ملزم کے انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے۔ کمرہ عدالت اپنی گنجایش کے لحاظ سے ملزموں اور ان کے وکلا کی اتنی بڑی تعداد کے لیے ناکافی ہے۔ بیٹھنے کے لیے چند بوسیدہ بینچ ہیں۔ حاضرین کی ایک بڑی تعداد، کھڑی رہتی ہے۔ احاطۂ عدالت کے اردگرد کسی قسم کی سہولیات میسر نہیں۔ ملزموں کو لوہے کے پنجروں میں، جن میں لوہے کی مضبوط سلاخیں لگی ہیں، رکھا جاتا ہے۔ سلاخوں کے درمیان، مچھلی پکڑنے کے جال سے بھی زیادہ باریک جال لگا ہے۔ ہر پنجرے میں تین ملزم بند ہیں۔ اس قسم کے پنجرے صرف چڑیا گھروں میں دکھائی دیتے ہیں۔ ملزموں کے تعلیمی کوائف حیران کن ہیں۔ انھوں نے امریکہ اور یورپ کی یونی ورسٹیوں سے اعلیٰ تعلیم کی ڈگریاں لی ہیں۔ اس قسم کے لوگوں کو لوہے کے پنجروں میں بند کرنا، شرف انسانیت کی توہین ہے۔

ان معزز حضرات پر، قرآن کریم اور نماز کی تعلیم دینے اور ٹریڈ یونینوں کے انتخابات میں شرکت کے

لیے تیاری کرنے کے بھونڈے الزامات لگائے گئے ہیں۔ ان الزامات پر کسی عام عدالت میں بھی مقدمہ نہیں چلایا جا سکتا کجا کہ ایک فوجی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے۔ الزامات کے ثبوت میں' کمرۂ عدالت میں' کتابیں' قرآن شریف کے نسخے' بچوں کو نماز کی تعلیم دینے اور بڑوں کو درس دینے کی آڈیو ویڈیو کیسٹ پیش کی گئی تھیں۔ فوجی عدالت کے جج بھی ان مقدمات کی سماعت پر خوش نہیں تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ احکام پہلے سے تیار ہیں۔ عدالتی کارروائی محض ایک ڈھونگ ہے۔ اندیشہ ہے کہ ملزمان اپنے ناکردہ جرائم کی طویل سزا پائیں گے۔ فوجی عدالتیں' انصاف کے ادنیٰ تقاضوں کو بھی ملحوظ نہیں رکھتیں۔

محی الدین ایڈوکیٹ نے کہا کہ قومی اسمبلی یا ٹریڈ یونین کے انتخابات میں شرکت' یا ان میں امیدوار بننے کی منصوبہ بندی کرنا' مصری دستور کی رو سے کوئی جرم نہیں ہے البتہ ایسے لوگوں کو جیلوں میں ڈالنا' ایمرجنسی اور فوجی قانون کا ۲۰ برس سے نافذ چلے آنا جرم و زیادتی ہے۔ مصری حکام بیرونی ممالک کو یہ تاثر دیتے ہیں کہ مصر ایک پُرامن ملک ہے تاکہ غیر ملکی سیاحت اور سرمایہ کاری کریں۔ دوسری طرف انھوں نے سیاسی مخالفین اور معتدل مزاج اسلامی جماعتوں کو کچلنے کے لیے ایمرجنسی اور فوجی قانون نافذ کر رکھا ہے۔ اگر مصر واقعی--- ان کے بقول--- ایک پُرامن ملک ہے تو پھر اس میں ایمرجنسی اور فوجی عدالتوں کی کیا ضرورت ہے؟ سیکورٹی فورسز کو من مانی کارروائیوں کے لیے کھلی چھٹی دے دی گئی ہے۔ بے شمار سیاسی مخالفین کو قیدوبند میں رکھا گیا ہے۔ گذشتہ ۱۰ برسوں میں فوجی عدالتوں نے ۱۱۹ ملزموں کو دہشت گردی اور اسلحہ رکھنے کے الزام میں سزاے موت سنائی ہے۔ ان میں ۹۶ کو سزاے موت دی جا چکی ہے' باقی ماندہ ملک سے باہر ہیں۔ اخوان المسلمون دہشت گرد نہیں' وہ حقیقی جمہوری نظام قائم کرنا چاہتے ہیں۔ حکمران ٹولہ' صحافیوں اور اخوان کو ایمرجنسی قوانین کے تحت گرفتار کرتا ہے۔ چھ ماہ کی گرفتاری کے دوران' انھیں سخت اذیت دی جاتی ہے' ان پر بے پناہ جسمانی تشدد کیا جاتا ہے' پھر مقدمہ چلائے یا الزامات لگائے بغیر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ کئی حضرات اذیت و تشدد کے عمل کے دوران ہی جاں بحق ہو جاتے ہیں۔ عبدالحارث مدنی ایڈوکیٹ کے ساتھ یہی ہوا۔ ۳۵ برس کی عمر کا یہ شخص' جماعت اسلامیہ کے گرفتار ارکان کا وکیل تھا۔ اسے دفتر سے پکڑ کر' اتنا زیادہ تشدد کا نشانہ بنایا گیا کہ وہ جان سے ہی ہاتھ دھو بیٹھا۔ فوجی عدالتوں میں' ٹریڈ یونینوں کے گرفتار عہدے داروں کا دفاع کرنے والی کمیٹی کے سربراہ کو' مقدمہ کی کارروائی میں شرکت سے باز رکھنے کے لیے' اس کی کار کو ٹکر مار دی گئی۔ اس ناانصافی اور ظلم کے نتیجے میں' کسی بھی لمحے مصر میں' دھماکا خیز صورت حال جنم لے سکتی ہے۔

داؤد بیدکوک نے بتایا کہ وہ کمرۂ عدالت میں' جمال عبدالناصر کے دور میں' سیکورٹی فورس کے ایک سربراہ سے ملے' جنھیں ان کے عہدے سے محض اس لیے برطرف کر دیا گیا تھا کہ انھوں نے گرفتار شدگان

کے خلاف' غیر انسانی طریقے اختیار کرنے پر اعتراض کیا تھا۔ یہ صاحب اب وکالت کرتے ہیں۔ ان کو مظلوموں کی حمایت سے روکنے کے لیے ان کے بھائی کی کار کا حادثہ کر دیا گیا۔ جمال عبدالناصر کے جانشین ظلم و ستم میں اپنے پیش رو سے بازی لے گئے ہیں۔

کینتھ پال مارٹن نے مصری قوم کے صبرواستقلال کو زبردست خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ اگر مصری حکمران' اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد کے ساتھ یہ سلوک کر رہے ہیں تو عام شہریوں کے ساتھ ان کا طرز عمل کیا ہو گا' ریاستی دہشت گردی کی موجودگی میں' مصری شہری کیسے پرسکون زندگی گزار سکتے ہیں' وہ کیسے اپنی صلاحیتوں کو کام میں لا سکتے ہیں؟ ملک کی ترقی کے لیے امن و سلامتی ناگزیر ہے' وسائل و ذرائع سے مالا مال مصر' کب تک دوسروں کا مقروض رہے گا؟ وہ ترقی یافتہ ممالک کی صف میں شامل ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مصر اپنی عظمت رفتہ اور شوکت گذشتہ کو صرف اسی صورت میں پا سکتا ہے جب وہاں انسان کا احترام ہو' عدل و انصاف کا دور دورہ ہو' فوجی عدالتوں اور ایمرجنسی کا خاتمہ ہو۔

برطانیہ میں مقیم ایک زیر تعلیم نوجوان نے اٹھ کر کہا کہ جو کچھ مصر میں' اسلامی جماعتوں کے افراد اور ٹریڈ یونینوں کے عہدے داروں کے ساتھ ہو رہا ہے' اسی طرح کا سلوک' یونی ورسٹیوں اور کالجوں کے طلبہ کے ساتھ بھی روا رکھا جاتا ہے۔ طلبہ کو گرفتار کر کے تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے جس سے ان کی تعلیم کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے اور مستقبل بھی تاریک ہو جاتا ہے۔

برطانیہ میں موجود' مصر کے سفارت خانے نے' برطانوی حکومت سے درخواست کی کہ وہ اس کانفرنس کو منعقد ہونے کی اجازت نہ دے مگر جب وہ اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے تو اپنے دو نمایندے کانفرنس میں شرکت کے لیے بھیج دیے۔ لارڈ نذیر احمد نے' مصری سفارت خانے کے ان نمایندوں کو' مصری حکومت کا دفاع کرنے اور سرکاری پالیسی کی تائید کرنے کے لیے' سٹیج پر آنے کی دعوت دی مگر وہ خاموش بیٹھے رہے (ماخوذ: ہفت روزہ المجتمع' کویت' عدد ۱۳۹۰' مارچ ۲۰۰۰ء)۔

رسائل و مسائل

مکمل اسلام

سوال: مشکوۃ شریف ' باب الرقاق کی ایک حدیث نظر سے گزری جس کی وضاحت درکار ہے۔ حدیث کے مطابق قیامت کے روز جب اعمال نامہ پیش ہو گا تو سب سے پہلے نماز سفارش کرے گی' لیکن اللہ تعالیٰ اسے ایک طرف کھڑے ہونے کا حکم دیں گے۔ پھر روزہ سفارش کرے گا' اسے بھی اللہ تعالیٰ ایک طرف کھڑا ہونے کا حکم دیں گے۔ اسی طرح زکوٰۃ' حج' خیرات و صدقات اور دوسرے نیک کام سفارش کریں گے مگر ان کو ٹھہرنے کا حکم ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ان کی گواہی پر بندے کی جزا کا فیصلہ صادر نہیں فرمائیں گے۔ سب سے آخر میں اسلام آئے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ہاں' تم آؤ' تمھاری گواہی پر میں بندے کو پکڑ لوں گا یا چھوڑ دوں گا۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ' یہ حدیث کے الفاظ ہیں۔

کیا کلمہ ' نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج سارے مل کر اسلام نہیں ہیں؟ یہاں اسلام کا الگ سے ذکر کیوں کیا گیا ہے؟ اور قرآن پاک کی آیت بھی درج کی گئی ہے۔ کیا اسلام ان ارکان اسلام سے الگ کوئی چیز ہے یا ان عبادات سے اعلیٰ اور افضل عمل ہے؟

جواب: آپ نے جس حدیث کے بارے میں سوال کیا ہے اس میں اسلام سے مراد اطاعت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اصل مطلوب مکمل اطاعت ہے۔ آخرت میں سب سے پہلے یہ بات دیکھی جائے گی کہ جو شخص نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ لے کر آیا ہے وہ پورے اسلام میں بھی داخل ہوا تھا' یا نہیں۔ اگر ایک انسان نے پورے کے پورے اسلام کو قبول کیا تھا تو اس کی نجات کا فیصلہ ہو جائے گا اور اس کے بعد اس نے جو عبادات بھی بجا لائی ہوں گی' ان کا ثواب اسے ملے گا اور جو گناہ کیے ہوں گے ان کی وجہ سے وہ عذاب کا مستحق ہو گا۔ اس کے بعد نیکیوں اور بدیوں کو میزان عمل میں تول کر فیصلہ کر لیا جائے گا کہ اس نے جنت میں کس طرح سے اور کب داخل ہونا ہے اور جنت میں اس کا مقام و مرتبہ کیا ہو گا۔ لیکن اگر اس نے پورے اسلام کو قبول نہیں کیا بلکہ اسلام کی صرف چند چیزوں کو قبول کیا ہے تو پھر وہ چند چیزیں کتنی ہی فضیلت کیوں نہ

رکھتی ہوں' اس کے لیے موجب نجات نہ ہو گی۔ اس لیے کہ وہ عبادات مکمل اسلام (اطاعت) کی روح سے خالی ہیں۔ دوسرے الفاظ میں' پورے دین کو قبول کرنے' اسے واجب الاطاعت سمجھنے اور اس کو اپنانے کا عہد کرنے کے بعد ہی' نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ معتبر ہیں۔ اس کے بغیر نہیں (مولانا عبدالمالک)۔

زکوٰۃ سے آئی کیمپ کا انعقاد

س : لوگ اپنے صدقات و زکوٰۃ رفاہی کاموں مثلاً ہسپتالوں میں مریضوں کے علاج معالجہ یا آئی کیمپوں میں آنکھوں کے مریضوں کے آپریشن وغیرہ پر خرچ کرتے ہیں۔ بعض ہسپتالوں کی انتظامیہ یہ احتیاط کرتی ہے کہ مریضوں کو بتا دیتے ہیں کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے' اگر آپ حق دار ہیں تو فائدہ اٹھائیں' ورنہ نہیں۔ کیا یہ طریقہ درست ہے؟ بعض ہسپتالوں یا آئی کیمپوں کے ذمہ داران یہ احتیاط نہیں کرتے اور غیر مستحق مریض بھی اس رقم سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ کیا اس طرح فائدہ اٹھانا جائز ہے؟

آنکھوں کے آپریشن کیمپ خاص آئی سیزن میں لگتے ہیں۔ سرکاری ہسپتالوں میں بھی مریض اسی سیزن میں زیادہ آتے ہیں لیکن بعض ہسپتالوں کے ڈاکٹر فری آئی کیمپوں میں ڈیوٹی لگوا لیتے ہیں' یا لگا دی جاتی ہے۔ اس طرح ان ہسپتالوں کے مریض متاثر ہوتے ہیں جن کی خدمت کے عوض وہ تنخواہ لیتے ہیں۔ کیا اس طرح ڈیوٹی جائز ہے؟

بعض لوگ اپنے بزرگوں کو ثواب پہنچانے کے لیے زکوٰۃ و صدقات کی رقم یا ناجائز کمائی مریضوں کے علاج یا آئی کیمپوں وغیرہ کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ کیا ناجائز کمائی کے ان کاموں میں خرچ کرنے پر ان بزرگوں کو ثواب ملے گا؟ ان خرچ کرنے والوں کو بھی ثواب ملے گا؟

ج : زکوٰۃ کا مصرف صرف فقرا ہیں۔ ہسپتالوں کی انتظامیہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ زکوٰۃ کا کھاتہ الگ رکھیں اور زکوٰۃ کی رقوم سے صرف فقرا اور مساکین کا جو مستحق زکوٰۃ ہوں' علاج کریں۔ انھیں چاہیے کہ اس کے لیے مستحقین سے درخواستیں لیں۔ مستحقین معلوم کرنے کے لیے تحقیق کریں اور صرف ان لوگوں کا علاج زکوٰۃ سے کریں جو تحقیق کے نتیجے میں مستحق ثابت ہوں۔ محض اتنی بات کافی نہیں ہے کہ مریضوں کو بتلا دیا جائے کہ جس رقم سے علاج کیا جا رہا ہے یہ زکوٰۃ کی ہے۔ زکوٰۃ کی رقم کو بلا تحقیق صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ انتظامیہ ایسا کرے گی تو عنداللہ و عندالناس جواب دہ ہو گی۔ مریض' انتظامیہ' ڈاکٹر ہر ایک کو اپنے اپنے دائرے میں جائز و ناجائز' مستحق و غیر مستحق کا خیال رکھنا چاہیے لیکن اصل ذمہ داری انتظامیہ کی ہے۔

آئی کیمپ میں جو ڈاکٹر اپنی ڈیوٹی لگواتے ہیں' اگر ہسپتال کی انتظامیہ ان کی ڈیوٹی لگاتی ہے اور انھیں اجازت دیتی ہے تو مریضوں کا متبادل انتظام کرنا' ہسپتال انتظامیہ کی ذمہ داری ہے۔ ڈاکٹر ہسپتال سے جو تنخواہ لیتے ہیں وہ ان کے لیے جائز ہے' جب کہ وہ ہسپتال انتظامیہ کے قواعد و ضوابط کی پابندی کرتے ہوں اور ان کی اجازت سے "آئی کیمپ" وغیرہ مہمات میں شرکت کرتے ہوں۔

زکوٰۃ و صدقات کی رقم کو ان کے مصارف میں صرف کرنا موجب ثواب ہے۔ جو شخص اپنے والدین کے ایصال ثواب کے لیے رقم لگاتا ہے اسے اپنے پاس سے زکوٰۃ کے علاوہ جائز مال' صرف کرنا چاہیے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی تو فرض ہے اسے تو بہرحال صرف کرنا ہے' اس کا ایصال ثواب سے تعلق نہیں ہے۔

ناجائز مال صدقہ کرنے کا ثواب نہیں ملتا۔ البتہ اپنے استعمال میں لانے کی بجائے' مستحق فقرا اور مساکین کی حاجات میں صرف کرنے کے نتیجے میں آدمی گناہ سے بچ جائے گا' صدقے کا ثواب نہیں ملے گا۔

واللہ اعلم بالصواب! (ع - م)۔

ختم قرآن پر معاوضہ

س : جب حفاظ کرام صلوٰۃ التراویح میں ختم قرآن کراتے ہیں تو بعض مساجد میں اس موقع پر حافظ صاحب کو تحفے میں کپڑوں کا جوڑا یا مٹھائی وغیرہ دی جاتی ہے۔ ختم قرآن کے موقع پر تقریب منعقد کر کے عام لوگوں میں مٹھائی بھی تقسیم کی جاتی ہے۔ خاص طور پر حافظ صاحب کے لیے چندہ بھی جمع کیا جاتا ہے۔

فضائل اعمال میں باب "فضائل قرآن" میں ایک روایت پڑھی کہ جس میں حضرت ابی بن کعبؓ نے کسی کو قرآن کی کوئی آیت سکھائی تو اس نے تحفے میں ان کو تیر کمان دی۔ جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ہوئے تو حضورؐ کے استفسار پر ابی نے کہا: یہ تیر کمان مجھے فلاں نے قرآن کی آیت سکھانے کے نتیجے میں تحفتاً دی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ تحفہ نہیں' بلکہ تم نے جہنم کے تیروں میں سے ایک تیر لیا ہے۔ اس کی روشنی میں' حفاظ کا تحائف لینا کیسا ہے؟

ج : ختم قرآن کے موقع پر حافظ قرآن کو تحفہ پیش کرنا جائز ہے۔ آپ نے جو حدیث لکھی ہے اس کا تعلق مطلقاً تحفے سے نہیں ہے' بلکہ ایسے شخص سے تحفہ قبول کرنا ہے جو فقیر اور مسکین ہو اور خود اس بات کا مستحق ہو کہ اس کی اعانت کی جائے' خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ اس تحفے میں اجرت کا احتمال ہو۔

حضرت ابی بن کعبؓ کی روایت میں تو ایک آدمی کو تعلیم دینے کا ذکر ہے اور حضرت عبادۃ بن صامتؓ کی روایت میں اصحاب صفہ کے چند لوگوں کو تعلیم دینے کا ذکر ہے۔ ابن ماجہ نے دونوں روایتیں

ذکر کی ہیں۔ حضرت ابی بن کعبؓ کی روایت میں اصل الفاظ یہ ہیں کہ انھوں نے خود اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ حضرت عبادۃ بن صامتؓ کی روایت میں ہے کہ انھوں نے چند اصحاب صفہ کو قرآن پاک کی تعلیم دی تھی اور ان میں سے ایک آدمی نے ان کو ہدیے میں کمان دی تھی۔ یہ کمان بطور اجرت نہیں دی گئی تھی۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ کے ذہن میں اجرت کا خیال تک بھی نہیں تھا اور اسی لیے انھوں نے اس نیت سے کمان وصول کر لی تھی کہ یہ کوئی بڑا مال نہیں ہے اور نہ ہی اجرت میں لینے دینے کی چیز ہے' تاہم انھوں نے اسی خیال سے لے لی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا حکم معلوم کر لیں گے۔ حضرت عبادۃ بن صامتؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ کا نبی کریمؐ سے یہ سوال اس بات کی دلیل ہے کہ یہ تحفہ تھا' اجرت نہ تھی۔ اس لیے کہ اجرت تو وہ ہوتی ہے جس میں کام بھی طے ہو اور اس کا عوض بھی طے ہو۔ بدایہ میں ہے: الاجارة عقد یرد علی المنافع بعوض ولا یصح حتّٰی تکون المنافع معلومة والاجرة معلومة۔ "اجارۃ" ایک ایسا معاہدہ ہے جس کا تعلق منافع کے معاوضے سے ہے' یہ اس وقت تک صحیح نہیں ہوتا جب تک کام اور انتفاع کا تعین نہ ہو اور اس کی اجرت متعین نہ ہو (بدایۃ' کتاب الاجارۃ)۔

جب کمان اجرت کے طور پر نہیں دی گئی تو پھر دوسری صورت یہی ہے کہ وہ تحفہ ہے۔ تحفے کا لین دین قابل اعتراض نہیں ہے' لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کے پیش نظر کہ یہ تحفہ اگرچہ احسان کے بدلے احسان کے طور پر دیا گیا ہے لیکن اسے اصحاب صفہ جیسے مخلصین سے' جنھوں نے اپنے آپ کو فی سبیل اللہ تحصیل علم اور جہاد کے لیے وقف کیا ہوا ہے' لیا جائے تو دینی تعلیم پر معاوضہ لینے کی بنیاد نہ بن جائے' فرمایا کہ اگر تم پسند کرتے ہو کہ آگ کا طوق گردن میں ڈالو تو پھر اسے قبول کر لو۔ حدیث کا اصل تعلق قرآن پاک کی تعلیم پر تحفہ لینے سے ہے۔ رمضان المبارک میں تراویح میں قرآن پاک سنانا تعلیم نہیں ہے' اس لیے تراویح کے موقع پر جو تحفہ دیا گیا ہے' اس سے اس حدیث کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

جہاں تک تعلیم القرآن پر اجرت کا تعلق ہے تو اس کی مختلف صورتیں ہیں اور ان کا حکم مختلف ہے:

۱۔ تعلیم القرآن یا دینی تعلیم یا دینی کاموں پر بیت المال سے تنخواہ لینا' یہ جائز ہے۔ خلفاے راشدین کے دور اور خیر القرون میں بیت المال سے دینی خدمات پر معاوضہ دیا جاتا تھا۔ خود خلفاے راشدین نے خلافت کی خدمات سرانجام دینے کے عوض بیت المال سے بقدر ضرورت' بقدر گزارہ معاوضہ لیا ہے۔

۲۔ خلافت اسلامیہ کے زوال کے بعد مسلمانوں کے پرائیویٹ اداروں اور تنظیموں نے ریاستی بیت المال کی جگہ دینی تعلیم کی ترویج و اشاعت کے لیے اپنے بیت المال قائم کر لیے' اور عرصۂ دراز سے دنیا بھر میں تعلیم و تربیت' دعوت و تبلیغ اور اقامت دین کا کام دینی مدارس کی انجمنوں' مساجد کی کمیٹیوں اور

اسلامی تنظیموں کے ذریعے سرانجام دیا جا رہا ہے۔ یہ بھی بالکل جائز ہے اس لیے کہ اسلامی حکومت کے بیت المال اور پرائیویٹ انجمنیں تنخواہیں دے کر وہی فرض ادا کر رہی ہیں جو اُن پر عائد ہے۔

۳۔ تعلیم حاصل کرنے والوں سے معاوضے لے کر انھیں تعلیم دینا' صورت اختلافی ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ جائز ہے اس لیے کہ یہ فرض کفایہ ہے' فرض عین نہیں ہے۔ ایک آدمی پر یہ بات تو فرض ہے کہ وہ تعلیم دے لیکن وہ مخصوص افراد اور مخصوص ادارے میں کام کرنے کا پابند نہیں ہے۔ اس لیے وہ مخصوص ادارے اور مسجد میں کام کرنے پر اجرت لے سکتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دینی تعلیم' اذان اور امامت پر اجرت جائز نہیں لیکن متاخرین نے زمانے کے حالات بدلنے اور بیت المال کی طرف سے اس کا اہتمام نہ ہونے پر اس صورت کو بھی جائز قرار دے دیا۔ یہ اس سبب سے بھی کیا گیا کہ دینی تعلیم اور خدمات کا نظام ایسی صورت میں بند ہو جائے گا جب کارکنوں کے لیے یہ روزگار کا ذریعہ نہ ہو۔ اس لیے کہ عملاً ایسا نہیں ہو سکتا کہ لوگ اپنا ذریعہ معاش کسی اور چیز کو بنائیں اور تعلیم اور دینی خدمات رضاکارانہ طور پر سرانجام دیں (ہدایہ' کتاب الاجارۃ' ص ۳۰۳' عون المعبود' کتاب الاجارۃ' باب کسب المعلم' ص ۷۶' سنن ابن ماجہ' باب الاجر علیٰ تعلّم القرآن' ص ۱۵۶) (ع - م)۔

قرض کی ادائیگی موجودہ یا پرانی قیمت پر

س : میرے والد مرحوم نے سعودی عرب میں بعض احباب سے سعودی ریال قرض لیے۔ پھر پاکستان واپس آگئے۔ چونکہ سعودی عرب جا کے کما کر یہ قرض ادا کرنا ممکن نہ تھا' لہٰذا والد صاحب نے اپنے تئیں یہ رقم پاکستانی روپوں میں ادا کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس وقت ریال کی قیمت ۷ روپے تھی' اب ۱۴ روپے فی ریال ہے۔ کیا والد صاحب کی وفات کے بعد اب ہم ریال کی پرانی قیمت کے مطابق قرض ادا کریں؟ یا ریال کی موجودہ قیمت کے مطابق پاکستانی روپوں میں قرض ادا کیا جائے گا۔ قرآن و سنت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

ج : یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ آپ والد صاحب کے ذمہ عائد قرضوں کو اتارنے کی فکر میں ہیں۔ حقوق العباد کی ادائیگی انتہائی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا ہوا ہے کہ حق داروں کے حقوق دنیا میں ادا نہ کیے گئے تو وہ انھیں آخرت میں دلوا کر چھوڑے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے دفاتر میں تین طرح کی چیزیں ہیں۔ ایک' وہ جن کو اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا' وہ شرک اور کفر ہیں۔ دوسرے' وہ جن کو دلائے بغیر نہیں چھوڑے گا' وہ حقوق العباد ہیں۔ تیسرے' وہ ہیں جو اللہ کی مرضی پر ہیں چاہے گا' تو بخش دے گا' چاہے گا تو سزا دے گا' یہ حقوق اللہ ہیں (جیسے نماز' روزہ)۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کسی کا جنازہ لایا جاتا تھا تو آپ پوچھتے تھے کہ اس کے ذمہ کسی کا قرض تو نہیں۔ اگر جواب ملتا کہ قرض ہے' تو آپ اس کا جنازہ نہیں پڑھتے تھے۔ فرماتے تھے تم اس کا جنازہ پڑھ لو۔ اگر کوئی شخص اس کا قرض اپنے ذمہ لے لیتا' تو پھر آپؐ اس کی نماز جنازہ پڑھا دیتے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب بیت المال میں سے اس طرح کے قرضوں کی ادایگی کی گنجایش نہیں تھی' لیکن جب بیت المال مضبوط ہو گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح کے قرضوں کو بیت المال سے ادا فرماتے تھے اور اس کے بعد نماز جنازہ پڑھاتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من ترکَ مالاً فلورثته ومن ترکَ دینًا فعلیّ' جس نے مال چھوڑا تو وہ اس کے وارثوں کو ملے گا اور جس نے قرض چھوڑا تو وہ میرے ذمہ ہے۔ جو لوگ اس حال میں فوت ہو جائیں کہ ان کا ترکہ ان کے قرضے کی ادایگی کے لیے کافی نہ ہو تو اسلامی حکومت بیت المال سے ان قرضوں کو ادا کرے گی۔ جس طرح جملہ حاجت مند' فقرا' مساکین' یتامیٰ اور بے اولادوں کی کفالت بھی ایسی صورت میں حکومت کے ذمے ہے' جب کہ ان کے سرپرست یا قرابت دار ان کی کفالت نہ کر سکتے ہوں۔

الحمدللہ آپ اس قابل ہیں کہ اپنے والد صاحب کا قرض ادا کر سکتے ہیں اور اپنے والد کے قرضوں کو اتارنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ قرض میں' قرض کی مثل چیز واپس کی جاتی ہے۔ واپسی کے وقت دیکھا جاتا ہے کہ کیا چیز قرض میں تھی۔ جو چیز بطور قرض لی ہو' واپسی کے وقت اس کی مثل واپس کرنا پڑتی ہے۔ آپ کے والد صاحب نے ریال لیے تھے لہٰذا جس وقت آپ رقم واپس کریں تو ریال واپس کریں' یا ریالوں کی پاکستانی سکہ میں اتنی مقدار واپس کریں جتنی مقدار قرض میں لیے گئے ریالوں کی اب بنتی ہے۔ مذکورہ طریقے کے مطابق پاکستانی سکہ میں واپسی قرض خواہوں یا ان کے ورثا کی رضامندی کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر وہ پاکستانی سکہ کے بجائے ریال طلب کریں تو انھیں ریال ہی واپس کرنے ہوں گے۔ اگر ریال نہ مل سکتے ہوں تو پھر اتنے ریالوں کی مالیت کے پاکستانی روپے لینے کے حق دار ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب! (ع - م)۔

عہد حاضر میں جہاد کی نوعیت

س: موجودہ دور میں کفر کے ساتھ جنگ یعنی جہاد بالسیف کی کیا حیثیت ہے؟ کیا یہ ہر مسلمان پر فرض ہے؟ کیا جہاد اور قتال میں فرق ہے؟ کیا یہ بات مبنی بر حقیقت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰة والسلام نے صرف غزوہ تبوک کے موقع پر ہر فرد کے لیے نکلنا لازمی قرار دیا تھا؟ کیا عام حالات میں قتال فرض کفایہ ہے؟ کیا مقبوضہ کشمیر کا جہاد "جہاد فی سبیل اللہ ہے یا جہاد حریت ہے؟

ج: جن مسلمان ممالک پر کفار نے قبضہ کیا ہوا ہے' ان کو آزاد کرانے کے لیے قتال کی ضرورت ہو' تو قتال فرض ہو گا۔ فقہا نے لکھا ہے جو علاقہ ایک مرتبہ دارالاسلام بن چکا ہو' اگر کفار اس پر قبضہ کر لیں تو پھر اس کی آزادی کے لیے جتنی طاقت کی ضرورت ہو' اتنی فراہم کرنا فرض ہو گا۔ اگر مقامی لوگوں کی طاقت ناکافی ہو تو ساتھ والوں پر فرض ہو گا کہ وہ اپنی طاقت اس میں شامل کریں۔ اگر وہ بھی کافی نہ ہوں تو ان کے ساتھ والوں کے لیے طاقت فراہم کرنا ضروری ہو گا۔ علیٰ ہذاالقیاس' اگر دنیا بھر کے مسلمانوں کی طاقت کی ضرورت ہو تو سب پر فرض ہو گا کہ وہ اس جہاد میں اپنی طاقت کو شامل کریں۔ افرادی' مالی' زبانی' غرضیکہ جس قسم کی اعانت کی ضرورت ہو' اس کا فراہم کرنا فرض ہو گا۔

کشمیر' فلسطین' چیچنیا اور اس طرح کے مسلمان ممالک کی آزادی کے لیے جن پر کفار نے غاصبانہ قبضہ کیا ہوا ہے' مذکورہ بالا اصول کے مطابق جہاد کرنا فرض ہے۔ اس تفصیل کی روشنی میں یہ بات تو واضح ہے کہ دنیا بھر کی مسلمان حکومتوں اور عوام پر فرض ہے کہ اس جہاد کو کامیاب بنانے کے لیے جو کچھ کرسکتے ہیں' کریں۔ اس جدوجہد کی حمایت' ان ممالک پر غاصبانہ قبضہ کرنے والوں سے تجارتی اور سفارتی تعلقات منقطع کرنا' مجاہدین کی مالی مدد کرنا' یہ صورتیں تو ایسی ہیں جن پر سب عمل کر سکتے ہیں۔ البتہ افرادی قوت' جو عملاً جہاد بالسیف کرے' اس کی ان ممالک کو ضرورت نہیں ہے۔ ان کی اپنی افرادی قوت اس کے لیے کافی ہے' اس لیے جسمانی طور پر اس جہاد میں شریک ہونا فرض عین نہیں ہے۔ لیکن جتنے افراد کی ان ممالک کو ضرورت ہو' اس قدر افراد ان کو فراہم کرنا ضروری ہو گا۔ پس جسمانی طور پر شریک ہونا فرض کفایہ ہے۔ جس طرح غزوہ تبوک میں تمام مسلمانوں کی شرکت کا حکم تھا اس طرح آج سب کو نکل کھڑا ہونے کا حکم نہیں ہے' نہ ہی اس پر عمل ممکن ہے۔ اس کی بجائے آج حکم یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائیوں کو تنہا اور بے یارومددگار نہ چھوڑا جائے۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اس پر ظلم نہیں کرتا' اسے تنہا اور بے یارومددگار نہیں چھوڑتا۔ جہاد باطل کو گرانے اور باطل کو مٹانے کے لیے تلوار اور اسلحے کے استعمال کا نام ہے۔ کشمیر اور چیچنیا کا جہاد' جہاد حریت بھی ہے اور قتال فی سبیل اللہ بھی ہے۔ دنیا بھر کے مسلمان ان جہادوں کی حمایت کر کے اس جہاد میں شریک ہیں' لیکن قتال میں شریک نہیں ہیں۔ قتال میں صرف وہ لوگ شریک ہیں جو محاذ پر پہنچ جائیں واللہ اعلم بالصواب! (ع - م)۔

کتاب نما

Nuclear Deterrence, CTBT and Pakistan [جوہری سد جارحیت، سی ٹی بی ٹی اور پاکستان] مرتبین: خالد رحمٰن، مشفق احمد۔ ناشر: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، ایف سیون مرکز، اسلام آباد۔ صفحات: ۱۴۹۔ قیمت: ۱۸۰ روپے۔

مسلم دنیا کے بیشتر علاقے مخالفین کی جارحیت یا تزویراتی یلغار کا شکار ہیں۔ بہ ظاہر ۵۵ مسلمان ملکوں کے الگ الگ جھنڈے، الگ الگ قومی ترانے، الگ الگ کرنسی اور اقوام متحدہ میں جداگانہ نشستیں موجود ہیں مگر مسلم اقوام کی پالیسیاں، ان کی اپنی امنگوں کی آئینہ دار نہیں، بلکہ "نام میرا ہے کام ان کا" کے مصداق نئے عالمی استعماری حلقہ زنجیر کی گرفت میں ہیں (الا ماشاء اللہ) اور یہود و ہنود اور نصاریٰ کے عیارانہ منصوبے، مسلم امہ کے درپے ہیں۔ گذشتہ دو عشروں کے دوران: بوسنیا، کوسووا، افغانستان، صومالیہ، اراکان، کشمیر، افغانستان، داغستان اور چیچنیا میں جارح اقوام نے جس طرح مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی ہے، اس میں عبرت کا سامان پوشیدہ ہے۔ ایمان کی مضبوطی، عمل کی راستی اور اپنے دفاع کے لیے خود انحصاری ہی امہ کو مضبوط، فعال اور ناقابل تسخیر بنا سکتی ہے۔ پاکستان کا ایٹمی پروگرام اسی مطلوب راستے کا ایک سنگ میل ہے۔

اگرچہ بے نظیر بھٹو اور نواز شریف نے بھی "جوہری تجربات کے جامع معاہدے" (سی ٹی بی ٹی) پر دستخط کرنے، اور واحد مسلم ملک کے جوہری پروگرام کی تحدید، بلکہ خاتمے کی راہ پر چلنے کا عندیہ دیا تھا، تاہم جنرل مشرف انتظامیہ سے (جو ماورائے آئین اقدام کے نتیجے میں وجود میں آئی ہے) قوم کو ہرگز توقع نہ تھی کہ اس باب میں وہ بھی نواز بے نظیر رویوں کے سرتال کا حصہ بننے پر آمادہ ہو گی۔ مگر افسوس کہ ایک ڈیڑھ ماہ ہی میں "جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے"۔ دسمبر ۱۹۹۹ء میں مشرف انتظامیہ کی طرف سے سی ٹی بی ٹی پر دستخط کرنے کی بات چھیڑ دی گئی۔

اسلام آباد کے انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز نے قومی بلکہ ملی اہمیت کے اس مسئلے سے متعلق فریقوں کو براہ راست مکالمے کی دعوت دی۔ ۴ جنوری ۲۰۰۰ء کو انسٹی ٹیوٹ میں ایک بھرپور سیمی نار منعقد ہوا جس میں وزیر خارجہ جناب عبدالستار نے سی ٹی بی ٹی پر دستخط کے حق میں اپنے موقف کو جملہ استدلال کے

ساتھ پیش کیا۔ وفاعی امور کے ماہر جنرل (ر) حمید گل نے سی ٹی بی ٹی پر امریکی سوچ کا تجزیہ کیا اور بھارتی جارحانہ عزائم کی روشنی میں پاکستان کے قومی مفادات کی حدود کا تعین کیا۔ پاکستان کے کامیاب ایٹمی پروگرام کے ایک انتہائی اہم کردار سلطان بشیرالدین محمود نے خالص فنی امور کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ سی ٹی بی ٹی پر دستخطوں کے کیا نقصانات ہیں۔ پھر تینوں فاضل مقررین نے حاضرین کے سوالوں کے جواب دیے۔

انسٹی ٹیوٹ نے اسی نوعیت کا دوسرا سیمی نار ۲۶ جنوری کو منعقد کیا جس میں سابق وزیر خارجہ جناب آغا شاہی نے مجوزہ معاہدے کے خدوخال' اس کے محرکات' پاکستان کی دفاعی ضروریات اور درپیش چیلنج کو خوب صورت پیرائے میں بیان کیا۔ اس سیمی نار میں پروفیسر خورشید احمد صاحب نے دو خصوصی لیکچر دیے۔ پہلا لیکچر Issues in Focus اور دوسرا CTBT; Facts and Fiction پر مبنی تھا۔ انھوں نے نہایت جامع' مدلل اور مسکت کلام کے ذریعے مسئلے کے تمام پہلوؤں کو لفظی اختصار اور موضوعاتی وسعت کے ساتھ بیان کیا۔

زیر تبصرہ کتاب انھی سیمی ناروں کے مقالات اور مباحث پر مبنی ہے۔ بعض قیمتی ضمیمہ جات نے کتاب کو زیادہ موثر دستاویز بنا دیا ہے۔ نہایت قلیل وقت میں اتنے وسیع موضوع پر ایسی خوب صورت اور موثر پیش کش پر انسٹی ٹیوٹ مبارک باد کا مستحق ہے۔ اس وقت پاکستان کی فضا سی ٹی بی ٹی پر دستخطوں کے حق میں' حکومتی سطح پر اٹھائی گئی دھول سے اَٹی پڑی ہے جسے مزید دھواں دار بنانے میں حکومتی الیکٹرانک میڈیا پوری قوت صرف کر رہا ہے۔ اس صورت حال میں راست فکر افراد کے لیے یہ کتاب' دلائل کے ایک قیمتی ہتھیار کی حیثیت رکھتی ہے (سلیم منصور خالد)۔

تذکرۂ خطاطین : محمد راشد شیخ۔ ناشر: ادارۂ علم و فن' ۱۰۸ بی الفلاح ہاؤسنگ پروجیکٹ' ملیر ہالٹ' کراچی۔ ۷۵۲۱۰۔ صفحات: ۲۵۴۔ قیمت: ۲۰۰ روپے۔

فن خطاطی اسلامی ثقافت کا بنیادی جز ہے۔ گذشتہ تیرہ صدیوں کے دوران مسلمانوں نے نہ صرف اس فن کو زندہ رکھا بلکہ کئی نئے خطوط ایجاد کیے اور انھیں ترقی بھی دی۔ فن خطاطی کے ارتقا میں بنیادی عنصر مسلمانوں کا قرآن مجید سے عشق اور لگاؤ ہے اور اسی نے مسلمانوں کو اس بات پر مائل کیا کہ وہ کلام الٰہی کو زیادہ سے زیادہ خوب صورت انداز سے لکھیں۔ چنانچہ مسلمانوں نے چالیس سے زائد خطوط ایجاد کیے جن میں سب سے مشہور کوفی' ثلث' نسخ' نستعلیق' دیوانی اور رقعہ وغیرہ ہیں۔

گذشتہ صدیوں میں فن خطاطی کے ضمن میں ترکوں کی خدمات اور ان کی سرپرستی ناقابل فراموش ہے۔ مصطفیٰ کمال کے جابرانہ اور غیر دانش مندانہ اقدامات کی وجہ سے ترکی میں فن خطاطی کے مدارس کو

بند کر دیا گیا تھا مگر اب اسلامی احیا کے جذبے کے تحت ان مدارس کا دوبارہ آغاز ہو چکا ہے۔ فن خطاطی کے اس احیا اور موجودہ دور کے ترک خطاطوں سے متعلق مناسب تفصیلات زیر تبصرہ کتاب میں موجود ہیں۔

اسلامی خطاطی کے بارے میں متعدد زبانوں (عربی، فارسی، ترکی، انگریزی اور فرانسیسی وغیرہ) میں کئی کتب شائع ہو چکی ہیں لیکن اب تک اردو زبان میں کوئی معیاری کتاب موجود نہ تھی۔ جناب راشد شیخ کی زیر تبصرہ کتاب اپنے موضوع اور معیار کے لحاظ سے اردو زبان میں بہترین کتاب قرار دی جا سکتی ہے۔ اسے مہنگے ترین کاغذ پر نہایت اعلیٰ طباعت سے خطاطی کے سیکڑوں رنگین و سیاہ و سفید نمونوں سے مزین کر کے شائع کیا گیا ہے۔ بلاشبہ مصنف نے یہ کتاب مرتب اور شائع کر کے اردو ذخیرۂ کتب میں ایک گراں قدر اضافہ کیا ہے۔

عام طور پر لوگوں میں یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ جدید ایجادات مثلاً کمپیوٹر وغیرہ کے بعد خطاطی ایک متروک فن ہے جس کا صرف ماضی سے تعلق تھا۔ جناب راشد شیخ نے بیسویں صدی کے نامور خطاطوں پر یہ کتاب لکھ کر اس غلط فہمی کو دور کر دیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ عالم اسلام میں یہ فن آج بھی پوری توانائی کے ساتھ زندہ ہے۔ مصنف نے سات ممالک کے بیس نامور خطاطوں کے حالات زندگی، کارنامے اور بہترین نمونے پیش کیے ہیں۔ ان ممالک میں پاکستان، ایران، ترکی، مصر، عراق، لبنان اور بھارت شامل ہیں۔ ان میں سے پندرہ خطاط وہ ہیں جنھوں نے بیسویں صدی کے نصف آخر میں اپنے فنی شہ پارے پیش کیے ہیں۔

خطاطوں کے حالات زندگی اور ان کی خطاطی کے نادر نمونوں کے حصول کے لیے مصنف نے نہ صرف ذاتی محنت و مشقت برداشت کی بلکہ پانچ زبانوں کے مطبوعہ و غیر مطبوعہ مواد سے استفادہ کیا جس کی تفصیل مآخذ و مصادر میں پیش کی گئی ہے۔ کتاب میں خطاطی کے سیکڑوں نمونوں کو جاذب نظر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ان میں قرآنی آیات، احادیث نبویہ، مختلف اشعار و اقوال و دیگر عبارات کو نامور خطاطوں کے مختلف خطوط میں نہایت سلیقے سے شامل کیا گیا ہے۔

جناب راشد شیخ خطاط نہیں ہیں بلکہ ایک اہم ادارے میں بطور سول انجینیر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ فن خطاطی سے محض ایک قلبی لگاؤ کے سبب وہ یہ کام پایۂ تکمیل تک پہنچا سکے۔ کتاب کے اعلیٰ معیار کے پیش نظر، اس کی قیمت نہایت مناسب ہے۔ پروف کی بعض معمولی غلطیاں موجود ہیں۔ خطاطوں کا انتخاب جناب راشد شیخ نے خود کیا ہے اور اس پر دلائل بھی دیے ہیں مگر اس فہرست میں مزید اضافہ ممکن ہے، مثلاً: بھارت کے سید احمد صاحب رام پوری۔ نیز خطاطی کے مزید خوب صورت نمونوں کا اضافہ بھی ممکن ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ جناب راشد شیخ اس کام کو مزید آگے بڑھائیں گے اور برعظیم میں خطاطی کی تاریخ پر ایک جامع کتاب بھی لکھیں گے (سید رضوان علی ندوی)۔

سید صباح الدین عبدالرحمٰن، حیات و خدمات، ڈاکٹر شہریار احمد۔ ناشر: طوبیٰ پبلی کیشنز، حیدر آباد دکن، بھارت۔ صفحات: ۳۴۴۔ قیمت: ۲۵۰ روپے۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ کے جن شاگردوں نے علمی دنیا میں مقام پیدا کیا، ان میں مولانا مسعود عالم ندویؒ اور مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے ساتھ، سید صباح الدین عبدالرحمٰنؒ (م: ۱۸ نومبر ۱۹۸۷ء) کا نام بھی اہم ہے۔ آپ اوائل عمر ہی سے دارالمصنفین اعظم گڑھ سے وابستہ ہوئے، ۱۹۷۵ء میں ادارے کی نظامت کی ذمہ داری سنبھالی اور وفات تک یہ خدمت انجام دیتے رہے۔

صاحب موصوف نے ایک بھرپور علمی زندگی بسر کی۔ شہریار احمد صاحب نے سوانحی خاکہ دینے کے بعد، باب سوم میں مرحوم کی پانچ حیثیتوں (مورخ، محقق، نقاد، مدیر، خاکہ نگار)، بعدازاں ان کے اسلوب تحریر اور ان کی مجموعی علمی اور ثقافتی خدمات کے بعض نقوش اجاگر کیے ہیں۔ آخر میں ان کی کتابوں اور مضامین کی مفصل فہرست بھی مرتب کی ہے۔

پی ایچ ڈی کا یہ مقالہ اگرچہ نظرثانی کے بعد شائع کیا گیا، پھر بھی اس میں خاصی تشنگی موجود ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ مقالہ نگار کو جو لوازمہ آسانی کے ساتھ مل گیا، اسے مرتب کر دیا گیا، گہرائی میں جا کر کاوش و محنت نہیں کی گئی۔ "حیات اور عہد" کے زیرعنوان زندگی کا خاکہ تو دیا گیا ہے (وہ بھی مختصر) مگر شخصیت کا پورا نقش نہیں ابھرتا، نہ مرحوم کے کردار و گفتار اور نہاد و افتاد کا کچھ پتا چلتا ہے۔

"کتابیات" میں کتابوں کے سنین اشاعت ندارد۔ ۵۶ کتابوں کی فہرست میں ۳۹ کتابیں تو مرحوم کی ہیں، باقی رہ گئیں ۱۷، اس محدود تعداد کتب کی مدد سے ڈاکٹریٹ کا جو مقالہ تیار ہو گا، اس کا معیار ایم اے یا ایم فل سطح ہی کا ہو گا (شیخ الہند کا صحیح نام: مولانا محمود حسن، نہ کہ محمود الحسن)۔ بہ ایں ہمہ، اپنے موضوع پر یہ ایک مناسب تعارفی کتاب ہے جس کی بنیاد پر، مزید تحقیق کی خاصی گنجایش موجود ہے (رفیع الدین ہاشمی)۔

محکمہ بہبود آبادی کے فتووں کی حقیقت، عبدالرشید ارشد۔ ناشر: النور ٹرسٹ، جوہر پریس بلڈنگ، جوہر آباد (خوشاب)۔ صفحات: ۳۶۔ قیمت: درج نہیں۔

نام نہاد خاندانی منصوبہ بندی کے موضوع پر یہ ایک معلومات افزا کتابچہ ہے، جس میں منصوبہ بندی کے حق میں بعض علماے دین کے "فتووں" کی اصلیت بتائی گئی ہے، اور منصوبہ بندی کے جسمانی و اخلاقی نقصانات کو اختصار مگر عمدگی سے واضح کیا گیا ہے۔ وسائل اور خوراک کی کمی کے مسئلے پر مولف نے ایک مغربی ماہر معیشت کا یہ قول نقل کیا ہے: "اگر دنیا کی زمین ٹھیک ٹھاک استعمال کی جائے تو موجودہ معلوم طریقوں کے استعمال سے بھی، موجودہ آبادی سے ۱۰ گنا زیادہ آبادی کو یعنی ۲۸ ارب افراد کو مغربی ممالک کی

خوراک کے اعلیٰ معیار پر قائم رکھا جا سکتا ہے اور کثرت آبادی کا کوئی مسئلہ پیدا نہ ہو گا"۔

مغرب اور غیر مسلم دنیا خاندانی منصوبہ بندی پر کیوں زور دیتی ہے؟ اس کا جواب ہمیں ۱۹۷۵ء کی ایک امریکی رپورٹ میں ملتا ہے۔ مذکورہ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ مسلم ممالک کی بڑھتی ہوئی آبادی اگلے ۲۵ سالوں میں امریکہ کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ ان ممالک کی سیاسی' معاشی اور اقتصادی و عسکری قوت میں اضافہ ہو گا تو ان ممالک سے نکلنے والا وہ خام مال آنا بند ہو جائے گا جس سے امریکہ و یورپ کے کارخانوں کی چمنیاں گرم ہوتی ہیں۔ لوگوں میں قدرتی وسائل کو اپنے قبضے میں رکھنے کا شعور پیدا ہو گا اور تیسری دنیا میں جو مراعات یافتہ طبقہ امریکی و یورپی مفادات کی رکھوالی کرتا ہے' اس کے خلاف نفرت باقاعدہ تحریکوں کی شکل اختیار کر لے گی (ص ۱۰)--- غالباً اس پس منظر میں مغرب ایک طرف تو خاندانی منصوبہ بندی کی مہم اور اپنے مؤثر ذرائع ابلاغ کے ذریعے مسلم خاندانی نظام کو برباد اور اخلاقی قدروں کو منہدم کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور دوسری طرف عربوں کے خلاف اسرائیل کی پشت پناہی اور پاکستان کے خلاف بھارت کو صف آرا کرنے کے لیے چال بازیوں میں مصروف ہے۔

خاندانی منصوبہ بندی کے پراپیگنڈے کے جواب میں' یہ ایک مفید اور مؤثر کاوش ہے (ر-ہ)۔

Economic Guidelines in the Qur'an. [معاشیات میں قرآن کی رہنمائی] ایس ایم حسن الزماں۔ ناشر: دی انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ (IIIT) '۲۸' مین ڈبل روڈ' سیکٹر ایف / ۱۰-۲' اسلام آباد۔ صفحات: ۳۹۸۔ قیمت: درج نہیں۔

ایس ایم حسن الزماں نے آگرہ اور کراچی یونی ورسٹی سے معاشیات اور اسلامیات میں ایم اے اور ایڈن برگ یونی ورسٹی سے پی ایچ ڈی کیا۔ طویل عرصے تک سٹیٹ بنک آف پاکستان کے شعبہ اسلامی معاشیات کے سربراہ رہے' پھر اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن بھی رہے۔ (ان کی ایک کتاب پر تبصرہ ترجمان القرآن ستمبر ۱۹۹۸ء میں شائع ہوا)۔

زندگی کے مختلف شعبوں کی طرح معاشیات سے متعلق اصولی ہدایات بھی قرآن پاک میں جابجا موجود ہیں۔ اس ضمن میں ایک راہ کشا اور راہنما کام تو سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے کیا۔ ان کی کتاب قرآن کی معاشی تعلیمات نے آنے والے ادوار کے لیے علمی کام کی بنیاد رکھی۔ عرصے سے اس بات کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ معاشی حوالے سے قرآنی آیات اور احادیث کو موضوع وار مرتب کیا جائے۔

جناب محمد اکرم خاں صاحب نے معاشی موضوعات سے متعلق احادیث کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا' اب ڈاکٹر حسن الزماں صاحب نے قرآنی آیات کو معاشی موضوعات کے حوالے سے ترتیب دیا ہے۔ کتاب کو

حسب ذیل پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے: ا۔ بنیادی تصورات (Basic Concepts)' ۲۔ معاشرتی رویے (Social Behaviour)' ۳۔ معاشی پیرامیٹرز (Economic Parameters)' ۴۔ سرکاری پالیسی کے لیے ہدایات (Public Policy Guidelines)' ۵۔ قبل از اسلام کے معاشی ادارے (Pre-Islamic Economic Institutions)

ان ابواب میں مختلف حصوں کے تحت قرآنی آیات حسب ذیل عنوانات' اصطلاحات' رویوں' حقوق و فرائض اور موضوعات کے تحت جمع کی گئی ہیں: فضل' خیر' انفاق' متاع اور رزق' ملکیت' حلال و حرام' مال کی محبت' بچت' ناشکری' معاشی فلاح کے عوامل' معاشی محرکات' اخلاقی اقدار' حقوق ملکیت' ذرائع پیداوار و روزگار' غربت و افلاس' صرف دولت' رسد اشیا' محنت' آبادی' سرکاری مالیات' تقسیم دولت' تجارت (نقدوادھار)' قرض' سود' سرکاری قرضوں' مال غنیمت اور مال فئے' فن تعمیر' اوزان' تجارتی قافلے' ذاتی ملکیت' مشترکہ کاروبار' لڑکوں کو متبنی بنانا وغیرہ)۔

کتاب کے آخر میں قرآن پاک کی آیات حوالہ کی فہرست دی گئی ہے اور اس سے بھی زیادہ اہم چیز موضوعات کے مطابق اشاریہ (Index) ہے۔

زیر تبصرہ کتاب اسلامی معاشیات سے دل چسپی رکھنے والے طلبہ' اساتذہ اور ماہرین معاشیات کے لیے لٹریچر میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔ کتاب کے اردو ترجمے کی ضرورت ہے (پروفیسر میاں محمد اکرم)۔

جنٹل مین سبحان اللہ' کرنل اشفاق حسین۔ ناشر: ادارہ مطبوعات سلیمانی' اردو بازار' لاہور۔ صفحات: ۳۱۲۔ قیمت: ۲۲۵ روپے۔

حسن اتفاق سے بہت سے اردو مزاح نگار اہل قلم کا تعلق عسکری دنیا سے رہا۔ چراغ حسن حسرت' شفیق الرحمن' سید ضمیر جعفری' کرنل محمد خان' صدیق سالک اور صولت رضا وغیرہ۔ کرنل اشفاق حسین بھی اہل سیف میں سے ہیں۔ ان کی تحریریں نہ صرف شگفتہ اور "مزاح دار" ہیں بلکہ پُراز معلومات اور پُرمغز بھی۔ ان کی سابقہ تصانیف کے ۵۰ کے قریب ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور یوں ان کی مقبولیت کا گراف اوپر ہی اوپر جا رہا ہے۔

جنٹل مین سبحان اللہ کا پہلا حصہ روز مرہ فوجی زندگی کے معمولات اور پیشہ ورانہ سرگرمیوں کے متعلق ہنستے مسکراتے مضامین پر مشتمل ہے جو قارئین کو نہ صرف محظوظ کرتے ہیں بلکہ انھیں فوج کے قریب لاتے اور نوجوانوں کو ایک ترغیب بھی دلاتے ہیں۔ ان میں اخبار نویسوں اور ابلاغ عامہ کے طلبا کے لیے رہنمائی کا سامان بھی ہے۔ ایک مضمون میں صحرائے تھر کے باشندوں کی کٹھن زندگی اور محرومیوں کی

مؤثر پیرائے میں تصویر کشی بھی کی گئی ہے۔ یہ مصنف کی تحریروں کا دوسرا رخ ہے۔

تین مضامین صومالیہ اور نیروبی کے اندرونی حالات کے آنکھوں دیکھے حالات پر مشتمل ہیں۔ ان سے مصنف کی دردمندی اور امت مسلمہ کے لیے فکرمندی ظاہر ہوتی ہے۔ آخر میں مشہور زمانہ میجرارشد کیس کے مقدمے کا پس منظر اور اسے تختہ دار پر کھینچے جانے کے چشم دید واقعات پر مشتمل عبرت انگیز مضمون ہے۔ کتاب میں رنگین تصاویر نے زیبائش میں اضافے کے ساتھ ساتھ کتاب کو پُرکشش بھی بنا دیا ہے۔

کتاب کو ادارہ مطبوعات سلیمانی' لاہور نے حسب روایت خوب صورت انداز میں شائع کیا ہے۔ کتاب کا ظاہری سراپا اور چھپائی بھی عمدہ اور قیمت مناسب ہے (عبداللہ شاہ ہاشمی)۔

Modern Perspective of Radiant Rays of the Qur'an' پروفیسر خواجہ خورشید احمد مرحوم۔ ناشر: نیشنل بک فاؤنڈیشن' اسلام آباد۔ صفحات: ۲۱۹۔ قیمت: ۸۰ روپے۔

یہ کتاب امریکہ میں دیے گئے چند دروس قرآن پر مشتمل ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ ان میں مسلمانوں کی نئی نسل' خصوصاً مغرب میں پروان چڑھنے والی نسل سے خطاب ہے' ایسی زبان میں اور ایسے اسلوب میں جو ان کے لیے قابل قبول ہو۔ بتایا گیا ہے کہ اسلامی اصولوں پر عمل کر کے انسان زندگی میں مقبولیت اور توازن حاصل کر سکتا ہے۔ توحید اور صفات الٰہی کے بیان کے بعد اللہ کی تخلیق کے بیان میں ایٹم اور نیوکلیس کے بارے میں فزکس کی جدید ترین معلومات کا ذکر ہے۔ پھر بیالوجی کی معلومات کا ذکر ہے۔ متعلقہ مضامین سے ناواقف قاری کے لیے شاید انھیں سمجھنا اتنا آسان نہ ہو' مگر بہرحال ان میں اسلام اور جدید علوم کے حوالے سے چند مفید نکات بھی ملتے ہیں۔ جدید علوم سے اس بات کے حق میں کہ اللہ نے ہر چیز کو جوڑوں میں پیدا کیا ہے' بہت سے شواہد پیش کیے گئے ہیں۔ آیندہ ابواب میں انسان کی مختلف صلاحیتوں (نفس' قلب وغیرہ)' روزے کے طبی فوائد اور جدید طبی تحقیقات' روح انسانی اور بقاے شخصیت' معجزہ قرآن' کمالات نبوت (خصوصاً فتح مکہ کے حوالے سے نبیؐ کی عسکری حکمت عملی) علم اور عقل کے بارے میں اسلام کے مثبت رجحان کا ذکر ہے۔ مغربی تہذیب پر علامہ اقبالؒ کے خیالات سے بھی خاصا استفادہ کیا گیا ہے۔ آخر میں انسانی زندگی اور نفسیات کے بارے میں سائنسی معلومات دی گئی ہیں اور ایک اچھی (اسلامی) زندگی کی مثال کے طور پر مولانا احمد علی لاہوریؒ کا ذکر ہے۔

کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اس میں اسلامی تعلیمات کے ساتھ ساتھ جدید ترین سائنسی معلومات کو بھی شامل کیا گیا ہے مگر یہ جس انداز سے پیش کی گئی ہیں' اس سے قاری کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ کس مقصد کے لیے شامل کی گئی ہیں اور ان کا سیاق و سباق سے کیا تعلق ہے (ڈاکٹر بلال مسعود)۔

What is Islam [اسلام کیا ہے؟] ' ڈاکٹر کرنل محمد ایوب خان۔ پتا: ۲۹۴' ایکس ٹینشن کیولری گراؤنڈ' لاہور کینٹ۔ صفحات: ۱۲۸۔ قیمت: ۶۰ روپے۔

ڈاکٹر کرنل محمد ایوب خان نے اس کتاب میں قرآنی آیات کے ذریعے قرآن کا پیغام ان لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کی ہے جو اسلام کی بنیادی تعلیمات سے آگاہ نہیں ہیں۔ چودہ ابواب میں رب کریم کی صفات' انسان' ریاست' جدوجہد' معاشرے اور کائنات کے حوالے سے قرآنی آیات جمع کر دی گئی ہیں اور مصنف نے کوشش کی ہے کہ اپنی طرف سے تشریحات کم از کم دے۔

قرآن کے پیغام کو عام کرنے اور اس کے پیغام کو متعارف کرانے کے لیے انگریزی زبان میں کی جانے والی یہ کوشش قابل تعریف ہے۔ دو امور قابل توجہ ہیں' اول: قرآنی آیات کے نمبروں کے ساتھ سورتوں کے نام تحریر کرنا بھی مناسب ہے۔ دوم: آنحضرتؐ کی زندگی اور جدوجہد کی مثالیں بھی شامل کی جائیں تو غیر مسلموں تک یہ پیغام آغاز ہی میں پہنچ جاتا ہے کہ قرآن حکیم کے بعد اسوۂ رسولؐ ہی مسلمانوں کے لیے راہنما ہے۔

مصنف کے مطابق ایک جرمن نومسلم نے جرمن زبان میں اس کا ترجمہ بھی کیا تھا۔ ابتدا میں پروفیسر حمید احمد خاں' ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی اور بعض دیگر اکابر کی تقاریظ شامل ہیں (محمد ایوب منیر)۔

مطبوعات موصولہ

☆ **احکام الصیّام** ' محمد آصف احسان عبدالباقی' ناشر: کشمیر بک ڈپو' چنیوٹ بازار' فیصل آباد۔ صفحات: ۱۲۷۔ قیمت: ندارد۔ [روزہ اور اس کے متعلقات (فرضیت' فوائد' فضیلت' رویت ہلال' مباحات' مستحبات' مبطلات' نفلی اور ممنوع روزے' اعتکاف) پر تحقیقی انداز کی علمی کاوش۔ جملہ پہلوؤں اور جزئیات کے بارے میں ضروری کوائف (مگر تراویح کا ذکر کیوں نہیں؟ شبینہ کی بات بھی تشنہ ہے) مجموعی طور پر معتدل اور متوازن انداز نظر۔ بعض اردو الفاظ کے انگریزی مترادفات غیر ضروری ہیں اور کہیں کہیں قطعی غلط۔ حوالوں اور کتابیات کا اہتمام مستحسن]۔

93

مدیر کے نام

ظفر خان ' پیر سدو ' ضلع مردان

ڈاکٹر محمد عمر چھاپرا کے مضمون "سود: عدل اور معاشی استحکام کا دشمن" (فروری ۲۰۰۰ء) میں سودی معیشت کی خرابیاں اور غیر سودی معیشت کی خوبیاں بہت اچھی طرح بیان کی گئی ہیں مگر غیر سودی معیشت اپنانے کا طریق کار واضح نہیں کیا گیا ہے۔ اس حوالے سے جید علما اور محققین کی بے شمار کتابیں موجود ہیں مگر عام آدمی ان کا مطالعہ نہیں کر پاتا اور سود کو لعنت سمجھتے ہوئے بھی اس کے متبادل نظام کو ممکن العمل نہیں سمجھتا۔

اگر ترجمان القرآن اس پر کسی مکالمے کا آغاز کرے تو ایک بڑی ذہنی الجھن کا مداوا ہو سکے گا۔ علاوہ ازیں ' زراعت جیسے شعبے پر بھی ترجمان میں کوئی خاص نہیں لکھا گیا ہے۔ یہ زرعی ملک ہے۔ اسلام کا زرعی نظام کیا ہے؟ اسلام کے نقطۂ نظر سے ملکیت کا کیا تصور ہے؟ پیداوار کا تقسیم کار کیا ہے؟ کاشتکار کے کیا فرائض ہیں اور مالک زمین کے کیا حقوق ہیں؟ یہ اور اس جیسے بے شمار پہلو ہیں جن پر اسلامی طرز زراعت کے حوالے سے معلومات کی انتہائی ضرورت ہے۔

لیفٹیننٹ جنرل (ر) صفدر بٹ ' لاہور

یہ بات باعث تشویش ہے کہ ہمارے دوست ممالک ترکی' ملایشیا' انڈونیشیا اور خلیجی ریاستیں ہمارے مقابلے میں بھارت کو ترجیح دے رہے ہیں' اور تعلقات استوار کر رہے ہیں۔ محض یہودیوں' ہندوؤں اور مغرب کو الزام دے دینا کافی نہیں۔ اس مسئلے کا سنجیدگی سے تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے۔ شاید کچھ خرابی ہماری طرف سے بھی ہے۔

ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی ' لاہور

مولانا علی میاں" (فروری ۲۰۰۰ء) کے حوالے سے چند مزید وضاحت طلب پہلو درج ذیل ہیں: یہ بات بھی درست نہیں کہ ۱۹۵۱ میں مولانا مرحوم ندوہ کے مہتمم مقرر ہوئے اور آخر عمر تک اس عہدے پر رہے۔ مولانا مرحوم کبھی ندوہ کے مہتمم نہیں رہے۔ ۱۹۵۱ء میں وہ حجاز' مصر و سوڈان اور اردن و شام کے سفر پر تھے' ۱۹۵۰ء اور پھر ۱۹۵۱ء کا سفر میں نے مولانا کے ساتھ ہی کیا۔ اس وقت اور بعد میں کافی برسوں تک ندوہ کے مہتمم مولانا عمران خاں ندوی بھوپالی تھے۔ البتہ سید سلیمان ندوی" کی وفات کے بعد یعنی ۱۹۵۳ء سے مولانا مرحوم ندوۃ العلما (یعنی علما کی وہ کمیٹی جو ندوہ کے دارالعلوم کو چلاتی تھی) کے سیکرٹری تعلیمات تھے' اور ان کے بڑے بھائی ڈاکٹر سید عبدالعلی ندوۃ العلما کے ناظم یا سیکرٹری تھے۔ ۱۹۶۳ء میں ان کی وفات کے بعد اس بورڈ آف ٹرسٹیز کے ناظم یعنی سیکرٹری مولانا علی میاں مرحوم مقرر ہوئے اور وفات تک رہے۔ دارالعلوم کے مہتمم اس تمام مدت میں مختلف علما رہے۔

مولانا مرحوم کی ملاقات علامہ اقبال" سے پہلی مرتبہ جون ۱۹۲۹ء میں ہوئی تھی (اپنے پھوپھا مولانا طلحہ' پروفیسر عربک اورینٹل کالج لاہور کے ساتھ) اور اس سے قبل مولانا مرحوم' اقبال کی نظم چاند کا ترجمہ کر چکے تھے۔ اس لیے درست بات یہ ہے کہ اقبال کی نظم کا ترجمہ انھوں نے ۱۴ یا ۱۵ سال کی عمر میں کیا' جب وہ لکھنؤ یونی ورسٹی میں فاضل ادب عربی کے طالب علم تھے۔

کشمیر

پر ظلم کے سائے
بڑھتے جا رہے ہیں

اس سے پہلے کہ جنت ارضی دوزخ میں بدل جائے
اور ظلم کی بھیانک سیاہ رات طول پکڑ جائے

کشمیر کے جاں نثاروں کا ہاتھ بٹائیے

آزادی کے ان انمول لمحوں میں

کشمیر

کے جاں نثاروں' مجاہدوں' مہاجروں' گرفتار شدگان
اور شہدا کے گھرانوں کو یاد رکھئے

وہ جو آزادی کی بے مثال جنگ لڑ رہے ہیں
عافیت کی گھڑیوں میں

انہیں حوصلہ دیجئے' قوت بخشئے

ان ماؤں' بہنوں اور بیٹیوں کو نہ بھلائیے
جن کے سروں سے آنچل نوچے جا رہے ہیں
اور گھروں کو جلایا جا رہا ہے

اس آگ کو بجھانے میں مدد کیجئے

جہاد کشمیر فنڈ

آپ سے مالی ایثار کا تقاضا کرتا ہے

اپنے عطیات

بنام جناب **عبدالرشید ترابی** اکاؤنٹ نمبر **1797** سونیری بینک' اسلام آباد - نیشنل بینک' مظفر آباد
چیک یا ڈرافٹ بنوا کر اس پتے پر ارسال کریں:

عبدالحلیم خان (مرکزی ناظم مالیات) جماعت اسلامی' آزاد جموں و کشمیر
415-پونچھ ہاؤس' صدر' راولپنڈی- فون : 051-511417 فیکس : 051-510197
یا عیدگاہ روڈ' مظفر آباد' آزاد جموں و کشمیر فون :058810-42334, 44336 فیکس: 058810-42580
E-mail: jiajk@comsats.net.pk

مدیر کے نام

حسین صحرائی' ٹنڈو محمد خان

ہماری حکومت نے کئی ممالک سے مجرمین کو حوالے کرنے کے معاہدے کیے ہیں۔ تیونس' لیبیا اور دوسرے ممالک کے مجاہدین کو جنھوں نے جہاد افغانستان کے دوران جہادی سرگرمیوں میں بھرپور کردار ادا کیا' انھیں پکڑ کر ان کی حکومتوں کے حوالے کیا جا رہا ہے۔ یہ افراد مجاہدین ہیں' جب کہ ان کی حکومت کی نظر میں قابل گردن زدنی۔ کئی کو ان کے ممالک میں سزاے موت دی گئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر ہماری حکومت انھیں' ان کے حوالے کرتی ہے اور وہ انھیں پھانسی یا فائرنگ اسکواڈ کے حوالے کر دیتی ہے تو شریعت کی رو سے ان کا خون کس کے سر ہے؟

راشد الیاس مہر' لاہور

شفاخانوں کے بارے میں ڈاکٹر غلام قادر لون کے مضمون (جولائی ۲۰۰۰ء) سے جیسے آنکھیں کھل سی گئیں۔ ہماری نسل نے تو مغرب کی برتری دیکھی ہے اور امریکہ اور یورپ کی ترقی نے ہماری آنکھیں چکاچوند کر دی ہیں۔ تاریخ کے اس طرح کے ابواب سے کچھ تسکین ہوتی ہے اور احساس کمتری دور ہوتا ہے۔ آپ کا بہت شکریہ!

عرفان احمد' منچن آباد

اخوان المسلمون اردن کے بارے میں مقالے (جولائی ۲۰۰۰ء) سے اس دور میں تحریکی جدوجہد کے بہت سے پہلو آشکار ہوئے۔ کچھ کا اطلاق اپنے حالات پر بھی کر سکتے ہیں لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ جن ممالک میں بھی غلبہ اسلام کی تحریکیں چل رہی ہیں ان کے معروضی مطالعے آپ کے رسالے میں پیش کیے جائیں' مثلاً ملائیشیا۔ یہ اس تحریک سے وابستہ لوگ لکھیں یا بہتر ہے کہ دوسرے ملک کا آدمی جائے' قیام کرے اور مطالعہ کر کے لکھے۔ عملی بصیرت حاصل کرنے کے لیے اسے ناگزیر سمجھنا چاہیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سن رکھو اس عبادت میں کوئی بھلائی نہیں جس میں تفقہ نہیں ہے، اور اس علم میں کوئی بھلائی نہیں جس میں سمجھ بوجھ نہیں ہے، اور اس قرآن خوانی میں کوئی بھلائی نہیں جس میں تدبر نہیں ہے۔

حسین فاروق مودودی نے ملک عید محمد پرنٹرز سے چھپوا کر ۵-اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور سے شائع کیا

C .P.L. 236

Phone : 7587916
7585590

Monthly **TARJUMAN-UL-QURAN** LAHORE.

علم و تمدن، تہذیب و اخلاق کی خوبصورت بستی

قرطبہ

تعارف

اکابرین جماعت اسلامی پر مشتمل مدینۃ العلم سوسائٹی ایک مثالی اسلامی بستی بسانے کا منصوبہ پیش کر رہی ہے۔ ماہرین کی زیر نگرانی بہترین ٹاؤن پلاننگ کے ساتھ یہ ایک ایسی بستی ہوگی جو دین و شریعت' فقہ و قانون تعلیم و تحقیق' صنعت و تجارت اور انفرمیشن ٹیکنالوجی سمیت علوم و فنون کے علمی مراکز کے باعث اپنی مثال آپ ہوگی۔ جماعت اسلامی پاکستان کے امیر قاضی حسین احمد مدینۃ العلم سوسائٹی کے صدر' سید منور حسن سوسائٹی کے جنرل سیکرٹری اور لیاقت بلوچ' حافظ محمد ادریس' پروفیسر محمد ابراہیم' اسداللہ بھٹو' نعمت اللہ خان' ڈاکٹر محمد ساجد' مولانا عبدالحق بلوچ' تنویر احمد مگوں' سعید اسماعیل' احمد پاریکھ' پروفیسر محمد امین جاوید اور دیگر ممتاز افراد گورننگ باڈی کے ارکان ہیں۔

محل وقوع

زیرو پوائنٹ اسلام آباد سے صرف 35-30 منٹ کی ڈرائیو پر موٹر وے چکری انٹرچینج پر خوبصورت پہاڑیوں کے دامن میں کھلے اور پر فضا ماحول میں واقع ہے۔

خصوصیات

- پلاٹ خریدنے اور رہنے والوں کے لیے اسلامی طرز معاشرت اور اخلاق و آداب کی پابندی لازمی ہوگی
- دو سال کے عرصہ میں ماہرین کی زیر نگرانی ٹاؤن پلاننگ اور جدید سہولیات پانی' بجلی' سیوریج' گیس کی فراہمی کا اہتمام
- سکول' کالج' اور یونیورسٹی سطح کی تعلیم
- مسجد' مکتب' دارالعلوم' لائبریری' شاپنگ سنٹر' کھیل کے میدان

31 اکتوبر تک رعایت

اڑھائی ہزار ایکڑ پر مشتمل قطعہ زمین حاصل کیا جا چکا ہے۔ جہاں دس ہزار رہائشی یونٹ مرحلہ وار فروخت کے لئے پیش کئے جائیں گے۔ زمین، ترقیاتی اخراجات، سڑکوں، سیوریج، پانی اور بجلی جیسی سہولیات سمیت درج ذیل رعایتی قیمتوں پر پلاٹ حاصل کیجئے۔ یہ رعایت یکمشت ادائیگی کی صورت میں 31 اکتوبر تک کیلئے ہے۔

رقبہ پلاٹ	ایک کنال/500 گز	دس مرلے/250 گز	پانچ مرلے/125 گز
قیمت	چار لاکھ روپے	اڑھائی لاکھ روپے	ڈیڑھ لاکھ روپے

پلاٹ	قیمت پلاٹ	ادائیگی بکنگ	آٹھ سہ ماہی اقساط میں
ایک کنال	500,000 روپے	100,000 روپے	50,000 روپے
10 مرلہ	300,000 روپے	60,000 روپے	30,000 روپے
5 مرلہ	175,000 روپے	35,000 روپے	17,500 روپے

[illegible]
قسطوں کی صورت میں

طریقہ کار

- چیک ڈرافٹ بنام مدینۃ العلم سوسائٹی بنک الفلاح لمٹیڈ (Bank Alfalih Ltd.)
- برائے پاکستانی روپے (Pak Rs.) اکاؤنٹ نمبر: 01122443
- برائے ڈالر (U.S. $) اکاؤنٹ نمبر: 01800375

Madinatul-Ilm Society

...oorah Multan Road Lahore Pakistan *Tel: Office:* 5419520-4 / 7844605-9 Fax:0092(42)7832194
E-mail: amir@ji.org.pk *URL:* http://www.jamaat.org

C.P.L. 236

Phone : 7587916
7585590

Monthly **TARJUMAN-UL-QURAN** LAHORE.

علم و تمدن ' تہذیب و اخلاق کی خوبصورت بستی

قرطبہ

تعارف

اکابرین جماعت اسلامی پر مشتمل مدینۃ العلم سوسائٹی ایک مثالی اسلامی بستی بسانے کا منصوبہ پیش کر رہی ہے۔ ماہرین کی زیر نگرانی بہترین ٹاؤن پلاننگ کے ساتھ یہ ایک ایسی بستی ہوگی جو دین و شریعت' فقہ و قانون تعلیم و تحقیق' صنعت و تجارت اور انفرمیشن ٹیکنالوجی سمیت علوم و فنون کے علمی مراکز کے باعث اپنی مثال آپ ہوگی۔ جماعت اسلامی پاکستان کے امیر قاضی حسین احمد مدینۃ العلم سوسائٹی کے صدر' سید منور حسن سوسائٹی کے جنرل سیکرٹری اور لیاقت بلوچ' حافظ محمد ادریس' پروفیسر محمد ابراہیم' اسد اللہ بھٹو' نعمت اللہ خان' ڈاکٹر محمد ساعد' مولانا عبدالحق بلوچ' تنویر احمد ملکوں' سعید اسماعیل' احمد پاریکھ' پروفیسر محمد امین جاوید اور دیگر ممتاز افراد گورننگ باڈی کے ارکان ہیں۔

محل وقوع

زیرو پوائنٹ اسلام آباد سے صرف 35-30 منٹ کی ڈرائیو پر موٹر وے چکری انٹرچینج پر خوبصورت پہاڑیوں کے دامن میں کھلے اور پر فضا ماحول میں واقع ہے۔

خصوصیات

- پلاٹ خریدنے اور رہنے والوں کے لیے اسلامی طرز معاشرت اور اخلاق و آداب کی پابندی لازمی ہوگی
- دو سال کے عرصہ میں ماہرین کی زیر نگرانی ٹاؤن پلاننگ اور جدید سہولیات پانی' بجلی' سیوریج' گیس کی فراہمی کا اہتمام
- سکول' کالج' اور یونیورسٹی سطح کی تعلیم
- مسجد' مکتب' دارالعلوم' لائبریری' شاپنگ سنٹر' کھیل کے میدان

31 اکتوبر تک رعایت

آڑھائی ہزار ایکڑ پر مشتمل قطعہ زمین حاصل کیا جا چکا ہے۔ جہاں دس ہزار رہائشی یونٹ مرحلہ وار فروخت کے لئے پیش کئے جائیں گے۔ زمین، ترقیاتی اخراجات، سڑکوں، سیوریج، پانی اور بجلی جیسی سہولیات سمیت درج ذیل رعایتی قیمتوں پر پلاٹ حاصل کیجئے۔ یہ رعایت یکمشت ادائیگی کی صورت میں **31** اکتوبر تک کیلئے ہے۔

رقبہ پلاٹ	ایک کنال/500 گز	دس مرلے/250 گز	پانچ مرلے/125 گز
قیمت	چار لاکھ روپے	اڑھائی لاکھ روپے	ڈیڑھ لاکھ روپے

پلاٹ	قیمت پلاٹ	ادائیگی بکنگ	آٹھ سہ ماہی اقساط میں
ایک کنال	500,000 روپے	100,000 روپے	50,000 روپے
10 مرلہ	300,000 روپے	60,000 روپے	30,000 روپے
5 مرلہ	175,000 روپے	35,000 روپے	17,500 روپے

یکم نومبر سے
قسطوں کی صورت میں

طریقہ کار

چیک ڈرافٹ بنام مدینۃ العلم سوسائٹی بنک الفلاح لمیٹڈ (Bank Alfalih Ltd.)

- برائے پاکستانی روپے (Pak Rs.) اکاؤنٹ نمبر: 01122443
- برائے ڈالر (U.S. $) اکاؤنٹ نمبر: 01800375

Madinatul-Ilm Society

oorah Multan Road Lahore Pakistan *Tel: Office:* 5419520-4 / 7844605-9 Fax:0092(42)7832194
E-mail: amir@ji.org.pk *URL:*http://www.jamaat.org